جملہ حقوق محفوظ

اگدھے کی آپ بیتی

مترجمہ

پروفیسر رام سروپ کوشل ایم اے

مصنف جادوگر۔ بینگن سندری۔ اندھا اور بہرا وغیرہ

سنہ ۱۹۳۸ء

دارالاشاعت پنجاب لاہور

بار سوم

قیمت ۵ روپائی

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	ماں سے جدائی	۵
۲	میرا نیا گھر	۱۰
۳	ایک نئی آفت	۱۹
۴	گھر کے راز	۲۷
۵	مویشیوں کے ڈاکٹر سے مقابلہ	۳۴
۶	رخصت!	۴۳
۷	رنگ میں بھنگ	۴۸
۸	کانجی ہوس میں	۵۴

میرا بھی حوصلہ دوچند ہوگیا۔ اور میں خوب زور وشور سے ورزش کرنے لگا۔ سچ کہتا ہوں۔ اُس روز جیسا لطف آیا۔ پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اِدھر پڑا پڑا! اُدھر واہ! واہ! اُدھر واہ! واہ! اِدھر پڑ پڑ! میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔ دوست تم بھی تو دو چار پینترے دکھاؤ۔ مگر اُس نے کہا۔ کہ کچھ عرصہ سے میری مشق چھوٹی ہوئی ہے۔ میں نے کہا، خیر کوئی بات نہیں۔ دنیا میں سب تھوڑا ہی پہلوان ہو سکتے ہیں ٭

اسی طرح ورزش اور ساتھ ساتھ باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ اتنے میں ایک موٹا سا سونٹا ہاتھ میں لئے آقا صاحب چھپر کے نیچے نظر آئے۔ میں تو سمجھا۔ کہ لڑکی کے غم میں بوکھلایا ہوا کہیں بیٹھا آنسو بہاتا ہوگا۔ مگر ایسے رنج کے موقعہ پر اس میں مردانگی کا جوش دیکھ کر میری تو زبان بند ہوگئی۔ پھر مجھے خیال آیا۔ کہ شاید میری پہلوانی دیکھ کر میرے ساتھی کی طرح دبا ہوا اس کا جوش بھی اُمنڈ پڑا ہے۔ اسی وجہ سے لڑکی کا رنج بھول کر لکڑی لئے میری تعریف کرنے آیا ہے۔ مگر پیارے پڑھنے والے! اس نے جو کارروائی کی۔ اس کا مجھے خواب میں بھی خیال نہ تھا۔ آؤ دیکھا۔ نہ تاؤ۔ آتے ہی کچھ کہے سُنے بغیر دس بارہ سونٹے میرے

خوب دل کھول کر طواف کر چکا۔ تو دیوتا مجھ پر خوش ہو گئے۔ اور انہوں نے ایک کونے میں ایک چھوٹا سا راستہ مجھے دکھا دیا۔ میں نے ایک لڑکے کو بھی اس طرف سے اندر جاتے ہوئے دیکھ لیا اسی اثناء میں اندر سے باجے کی نہایت ہی خوش گوار آواز یوں میرے کانوں میں آنے لگی۔ گویا مجھے اندر آنے کے لئے بلا رہی ہے۔ اب اور باہر ٹھہرنا بے وقوفی معلوم ہوا۔ چنانچہ میں نے اپنی تھوتھنی اُسی راستے سے اندر داخل کر دی ؛

اندر کا حال دیکھ کر میں حیران رہ گیا + وہاں ایسی روشنی ہو رہی تھی۔ کہ اندھیرے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ آدمیوں کی اتنی بھیڑ تھی۔ جتنی سمندر کے ساحل پر کبھی کبھی کوڑیوں کی یا بھادوں کے مہینے میں مکھیوں کی کثرت ہوتی ہے۔ خیمے کے عین بیچوں بیچ ایک اُونچا چبوترا تھا۔ اس پر ایک آدمی کھڑا تھا۔ جو بہت سُریلا اور میری آواز سے ملتا جلتا باجہ بجا رہا تھا۔ جی تو بہت چاہا۔ کہ میں بھی وہاں پہنچ کر ایک آدھ تان چھیڑ دوں۔ اور دکھا دوں۔ کہ علم موسیقی میں ہم لوگ کتنے ماہر ہیں۔ مگر لوگوں کی بھیڑ چیر کر چبوترے تک پہنچنا ٹیڑھی کھیر معلوم ہوئی۔ اس لئے میں اپنے اس ارادے سے باز رہا ؛

چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد ہی چند پہلوان اُس چبوترے پر آ ڈٹے۔ اور لگے طرح طرح کے کرتب دکھانے + میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ کیونکہ ہماری پارٹی کے کئی خانہ بدوش اسی قسم کی قلابازیاں کھا کھا کر مجھے اور دوسروں کو خوش کیا کرتے تھے۔ یہ کارروائی بہت دیر تک ہوتی رہی اور ادھر میرا جوش بھی ٹھنڈا پڑنے لگا۔ کچھ دیر بعد یہ کھیل ختم ہو گیا +

اس کے بعد بھانت بھانت کے چرندے اور پرندے اس چبوترے پر آ آ کر اپنے اپنے کرتب دکھانے لگے۔ بے شمار طوطے۔ بندر اور ریچھ آئے۔ اور اپنی اپنی کراماتیں دکھلا کر چلے۔ اخیر میں اہا ہا ہا! اپنی ہی برادری کے ایک بھلے مانس نظر آئے۔ خوب! انہیں دیکھتے ہی میں نے اپنی جگہ سے جھک کر تعظیم دی۔ مگر وہاں کس کو اتنی فرصت تھی۔ جو میرا سلام لیتا۔ اس لئے میرا سلام رائیگاں گیا۔ میں نے بھی سوچا۔ چلو کوئی بات نہیں۔ ذرا دیکھیں تو یہ کیا کرتے ہیں +

مگر ان صاحب نے کچھ بھی نہ کیا۔ اُسی طرح بُت بنے کھڑے رہے۔ معلوم ہوتا تھا۔ سرکس والوں نے انہیں مار پیٹ کر سولھوں نے شریف آدمی بنا رکھا تھا۔ ورنہ بھلا یہ کس طرح ممکن تھا۔ کہ

ہمارے جیسی کھلاڑی قوم کے جانور ہو کر بھری مجلس میں آنکھ نیچے کئے کھڑے رہتے۔ بعد میں معلوم ہوا۔ کہ پچھلے دن کی دوڑ میں آپ بھی شامل تھے۔ جب میں نے انہیں زیادہ غور سے دیکھا۔ تو خیال آیا۔ کہ یہ تو وہی صاحب ہیں۔ جو دوڑ کے وقت ہم سب کے ساتھ دوڑنے کے بجائے الٹی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اور آگے جا کر ایسے گرے تھے۔ کہ اپنا ایک قیمتی دانت بھی کھو بیٹھے۔

سچ مچ اب بھی جب کبھی اُن کا منہ کھل جاتا تھا۔ تو صاف معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان کا دانت اپنی جگہ سے غیر حاضر ہے۔

اسی وقت ایک آدمی بھی اس چبوترے پر آ کھڑا ہوا۔ اور بولا یہ گدھا جو آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ گدھا قوم میں سب سے عقل مند ہے۔ یہ ابھی آپ لوگوں کو اپنے کرتب دکھلائے گا۔

یہ سُننا تھا۔ کہ میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اتنا زبردست جھوٹ! اوہو! میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا۔ مگر مارے غصے کے منہ تک نہ کھلا۔

اب وہ عقل مند گدھا اپنے کرتب (واہ وا! کیا کہنے) دکھلانے لگا۔ سب سے پہلے اس نے اپنا سر جھکا کر ایک پیر اُٹھایا۔ خوب! یہ سلامی تھی۔ پیارے پڑھنے والو! سچ کہتا ہوں۔ سلام کرنے کا

ایسا ڈھنگ — ایسا بُرا ڈھنگ — میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پہلے تو اس قدر سر جھکانا کہ دیکھنے والوں کو خاک چاٹنے کا شک گذرنے لگے۔ اور پھر اپنی تھوتھنی میں پیر اڑا کر کھڑے ہو جانا — کیا یہی سلام کرنے کا ڈھنگ ہے؟ اور کہیں ہو تو ہو۔ مگر اپنے ہاں تو یہ طریق نہیں ہے۔ کیا خوب! سلام تک کرنے کی تو تمیز نہیں۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ ساری دنیا کی عقل مندی کا اجارہ آپ نے لے رکھا ہے!

مگر آگے جو کچھ ہُوا۔ اس کے سامنے سلام کی کچھ قیمت ہی نہ تھی۔

خیمے کے اندر دو چار بوڑھی عورتیں اِدھر اُدھر بیٹھی تھیں جو ہماری مالکہ کی طرح تماشہ دیکھنے آئی تھیں + سرکس والے کے پاس بھی ایک بڑھیا بیٹھی تھی۔ جو اُس کی بیوی معلوم ہوتی تھی + ایسی موٹی اور بھدّی عورت پہلے میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ مگر سرکس والے صاحب ہی کون سے بڑے نازک تھے؟ جیسے خود تھے۔ ویسے ہی بی بی بھی پائی تھی + پڑھنے والے کہتے ہوں گے۔ کہ یہاں ان باتوں کا کیا ذکر؟ واقعی اگر سرکس والا خود ہی ایک قصّہ نہ کھڑا کر دیتا۔ تو ان باتوں کے بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہ ہوتی

اچھا سنئے۔ بات یہ ہوئی۔ جب گدھا سلام کر چکا۔ تو سرکس والا چبوترے پر آ کھڑا ہوا۔ اور اس سے کہنے لگا۔ بیٹا گدھے! لو یہ پھول لے لو۔ اور یہاں جو عورت سب سے خوب صورت ہو اُسے دے آؤ۔ یہ کہہ کر اُس نے وہ پھول گدھے کے منہ میں ٹھونس دیا۔ گدھا اسے لے کر چل دیا۔ جس طرف وہ چلا۔ اُدھر ہی میری مالکہ بھی بیٹھی تھی۔ اس لئے مجھے پورا پورا یقین تھا۔ کہ یہ اسے پھول دے گا۔ چنانچہ میں دل ہی دل میں اس کی سمجھ کی تعریف کرنے لگا۔ مگر وہ تو نرا بھوندو ہی نکلا۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ گدھوں کی قوم میں ایسا بے وقوف کس طرح پیدا ہو گیا! وہ سیدھا سرکس والے کی بیوی کے پاس جا پہنچا۔ اور اُس کی گود میں وہ پھول ڈال دیا۔

اب تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ بڑی دیر سے صبر کر رہا تھا۔ مگر آخر صبر کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ یک لخت اچھلا۔ اور دو ہی قلانچوں میں چبوترے پر جا پہنچا۔ وہاں سے جو ایک چھلانگ ماری۔ تو بنیجر صاحب کی بیوی کے پاس تھا۔ فوراً اس کے ہاتھ سے پھول چھین کر اپنی مالکہ کے حوالے کر دیا۔ یہ سب کام اتنی جلدی کیا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ پہلے تو کچھ دیر لوگوں پر سناٹے کا عالم رہا۔

مگر جب ساری بات سمجھ میں آگئی۔ تو ایسے زور زور کے قہقہے لگے۔ جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ (جوالا مکھی پربت) پھوٹ پڑا ہو۔ اور سب لوگ تو ہنس ہنس کر شاباش دینے لگے۔ مگر منیجر صاحب کو نہ تو ہنسی ہی آتی تھی۔ اور نہ اُن کی زبان سے بات ہی نکلتی تھی۔ مجھے تو شک ہونے لگا۔ کہ کہیں ان پر فالج تو نہیں گر گیا۔ ادھر اُن کی بی بی صاحبہ زبردستی منہ بنا بنا کر ہنسنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مگر غریب کی ساری کوشش رائیگاں جا رہی تھی۔ جو لوگ کافی ہنس چکے تھے۔ انہیں بھی ان صاحبہ کی ادا دیکھ کر دوبارہ ہنسی آگئی۔ اور اس بار ایسی بے طرح آئی۔ کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

جب سب لوگ ہنس ہنسا کر چپ ہوئے۔ اور میں بھی اپنی مالکہ کے پاس جا بیٹھا۔ تب کہیں منیجر صاحب اور اُن کی بی بی صاحبہ کی جان میں جان آئی۔ اس مرتبہ آپ کاغذ کی ایک بڑی سی ٹوپی ہاتھ میں لے کر اپنے گدھے سے یوں فرمانے لگے۔ لو بیٹا گدھے! یہاں پر جو شخص سب سے زیادہ بے وقوف ہو۔ اُسے یہ ٹوپی پہنا دو۔ یہ کہہ کر آپ نے ٹوپی کا اوپر والا حصہ اس کے منہ میں داخل کر دیا۔ گدھے کے پاس ہی ایک چھوٹا سا لڑکا

بیٹھا تھا۔ اس نے اسی کو وہ ٹوپی پہنا دی۔

یہ بات بھی مجھے بہت ناگوار گزری۔ کیونکہ میری رائے میں وہاں کئی ایسے لوگ موجود تھے۔ جو اس لڑکے سے کہیں زیادہ بے وقوف تھے۔ چنانچہ میں فوراً اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور اس لڑکے کے سر پر سے ٹوپی اُتار کر منیجر صاحب کے پاس لے گیا۔ منیجر صاحب تھے بہت لمبے۔ اور بغیر سیڑھی لگائے اُن کے سر پر ٹوپی رکھنا ناممکن تھا۔ اس لئے میں ان کی پیٹھ پر اگلے پاؤں ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ قریب تھا۔ کہ ٹوپی ان کے سر پر رکھدوں۔ کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اُدھر سرکس دیکھنے والے خوب زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔ میں نے ان کا پیچھا کیا۔ اور کئی چکر لگانے کے بعد آخر اُن کو پکڑ لیا۔ وہ لگے۔ کھری کھوٹی سنانے۔ مگر مجھے تو اپنے کام سے کام تھا۔ میں نے پھر اُن کی پیٹھ پر اگلے پاؤں ٹیک دیئے۔ بے چارے دوڑتے دوڑتے تھک گئے تھے۔ اس لئے میرے پیروں کا بوجھ پڑتے ہی بیٹھ گئے۔ پھر کیا تھا۔ میں نے خوب اطمینان سے اُن کو ٹوپی پہنا دی۔ خوب تالیاں بجیں۔ اور دیکھنے والے۔ واہ وا! واہ وا! کا شور مچانے لگے۔ آخر جب دیکھا کہ بیچارے منیجر صاحب کو رونا سا آگیا ہے۔ تو میں اُنہیں چھوڑ کر چل دیا۔

میری اس کرامات کو دیکھ کر وہ عقل مند گدھا بھی شاید گھبرا اٹھا۔ اور فوراً خیمے سے باہر چل دیا۔ دو چار آدمیوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ منیجر صاحب کی حالت دیکھ کر۔ یا یوں ہی ـــــ میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا ـــــ اُن کی بیوی کے سر میں درد ہونے لگا۔ اور وہ بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

ادھر منیجر صاحب دھول جھاڑتے ہوئے اُٹھے۔ اب تک وہی رونی صورت بنی ہوئی تھی۔ آخر کار آپ نے فرمایا۔ "شاید بہت جی کڑا کر کے ـــ کہ آج کا کھیل ختم ہوتا ہے"۔

بھوت

اُدھر منیجر صاحب کا کھیل ختم ہُوا۔ ادھر لوگوں کے ٹھٹ مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ اتنے آدمیوں کو اپنے دیدار (درشن) کے لئے بے تاب دیکھا۔ تو میں پھُول کر کُپا ہو گیا۔ میرا ہی کیا ذکر ہے میری جگہ پر جو ہوتا۔ ایسے موقعہ پر ہر گز خوش ہوئے بغیر نہ رہتا مگر اس قسم کے موقعے ہر شخص کی زندگی میں کب آتے ہیں؟ میں نے دیکھا۔ کہ اس وقت اتنے بہت آدمی میرے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ ان کو کچھ پیغام دینا ضروری ہے۔ نہیں تو سب لوگ مجھے گنوار سمجھیں گے۔ مگر مشکل تو یہ تھی۔ کہ ہماری زبان سمجھنے والے وہاں ایک ہی دو آدمی نظر آتے تھے۔ ساتھ ہی مجھے لیکچر دینے کی عادت بھی نہیں تھی۔ اس لئے لاچار چُپ رہنا پڑا۔

اس طرح بڑی دیر تک بھیڑ مجھے ملاحظہ کرتی رہی۔ اور میں

بھیڑ کو پیچھے والے آگے کو۔ اور آگے والے گھر کو چلتے جاتے تھے۔ مگر مجھے جانے کی مہلت ہی نہیں ملتی تھی۔ ادھر منیجر صاحب بھی اُکتا گئے تھے۔ اور کہیں دور کھڑے بھیڑ کو ہٹنے کا حکم دے رہے تھے۔ مجھے ڈر تھا۔ کہ میری حرکتوں سے کہیں اس غریب کا دل نہ ٹوٹ گیا ہو۔ مگر جب کھیل ختم ہو جانے کے بعد بھی میں نے اُس کی آواز سُنی۔ تو مجھے اطمینان ہو گیا۔ کہ یہ نہیں ہو سکتا۔

جب ان کے بار بار کہنے پر بھی بھیڑ کم ہوتی نظر نہ آئی۔ تب تو منیجر صاحب کو بے ڈھب غصہ آیا۔ آپ ایک بانس لے کر ہانپتے کانپتے میرے سر پر آ دھمکے۔ دوبارہ اُن کے درشن پا کر میں نے تو اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھا۔ مگر مجھے دیکھتے ہی اُن کا غصہ فی منٹ ڈھائی ڈگری کے حساب سے بڑھنے لگا۔ "ہٹاؤ اس کم بخت گدھے کو یہاں سے"۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ بانس میرے سر پر ایسا تاک کر مارا۔ کہ اگر میں ایک دم بھاگ نہ کھڑا ہوتا۔ تو میرا بھیجا نکل پڑتا۔ میں تو خیر بچ گیا۔ مگر ایک غریب تماشہ دیکھنے والے کو شامت اعمال نے آگھیرا۔ بانس بے چارے کی پیٹھ پر بڑے زور سے جا کر پڑا۔ بانس کے پیٹھ پر پڑتے ہی پہلے وہ اکڑ کر بالکل کمان بن گیا۔ اور زور زور سے پیٹھ ملنے لگا۔ مگر ذرا دیر میں اس

رسید کر دیئے۔ اس ظالم نے مجھے اتنا پیٹا۔ کہ اگر ورزش سے میرا جسم مضبوط نہ بن چکا ہوتا۔ تو میری ساری ہڈیاں چکنا چور ہو جاتیں۔ میرا دم نکلتے نکلتے رہ گیا۔ اور میں ادھ موا سا ہو کر چپ چاپ بیٹھ رہا۔ اس پر اس نے مارنا بند کر دیا۔ اور مجھ سے طرح طرح کے رشتے ناطے جوڑنے لگا۔ کبھی میری ماں سے اور کبھی بہن سے اپنا بیاہ ہونے کی بات کہتا۔ کبھی مجھے اپنا بیٹا اور کبھی سالا قرار دیتا۔ میں نے بھی دل میں ٹھان لیا۔ کہ اب خواہ کچھ ہی ہو۔ میں اس کم بخت کی باتوں میں ہرگز نہ آؤں گا۔

دھوبی کے چلے جانے پر پھر کر جو دیکھا۔ تو ساتھی یوں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ گویا زمین کو سونگھ رہا ہے۔ دھوبی کی شکل دیکھتے ہی اس کے ہوش گم ہو گئے تھے۔ بے چارے نے مار کے ڈر سے چپ سادھ لی تھی۔ دھوبی کے ڈنڈے کو خوب پہچانتا تھا۔ بغیر پٹے ہی اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔

دوسرے دن سے دھوبی مجھے بھی گھاٹ پر لے جانے لگا۔ مجھے بھی اپنے ساتھی کی طرح کپڑے دھونے پڑتے۔ راستے میں اگر میں کسی عجیب و غریب چیز کو دیکھنے یا دم لینے کے لئے ذرا بھی رک جاتا۔ تو ڈنڈا پڑتا تھا۔ ایک جگہ راستے

کا مزاج اس قدر گرم ہوگیا۔ کہ آنکھوں سے آگ نکلنے لگی۔ خم ٹھونک کر منیجر سے کشتی لڑنے کو کھڑا ہوگیا۔ اُدھر منیجر بھی تن کر کھڑا ہوگیا۔ دونوں میں خوب مقابلہ ہُوا۔ لاتوں اور مُکّوں کا بازار خوب گرم ہوا۔ منیجر صاحب تھے تو مضبوط۔ مگر شاید انہیں کشتی کی زیادہ مشق نہ تھی۔ اس لئے بے چارے بار بار قلابازیاں کھاجاتے تھے۔ ان کے رفیق اور حمایتی بانس نے بھی اس موقعہ پر اُن کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس جنگ میں بہت سی کرسیاں اور لالٹینیں ٹوٹ گئیں۔ لڑائی کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کو میرا بہت جی چاہتا تھا۔ مگر ڈرتا تھا۔ کہ کہیں کوئی جوش میں آکر مجھ سے بھی کشتی یا ڈنڈا بازی نہ کر بیٹھے۔ چنانچہ میں جنگ کا خاتمہ دیکھے بغیر ہی اپنے ڈیرے کو روانہ ہوگیا۔ مالکہ کو اِدھر اُدھر ڈھونڈا۔ مگر بھیڑ میں معلوم نہیں۔ وہ کہاں غائب ہوگئی تھی۔ اس لئے مجبور ہوکر اکیلا ہی چل پڑا۔

چل تو ضرور پڑا۔ مگر تماشہ گاہ کے باہر نکلتے ہی معلوم ہُوا کہ بڑی مصیبت کا سامنا ہے۔ رات اس قدر اندھیری تھی۔ کہ اگلا قدم بھی نہ سوجھتا تھا۔ نہ معلوم بے وقت بادل بھی کیوں اتنے گھر آئے تھے۔ کہ ایک بھی تارا نظر نہ آتا تھا۔ نہ کوئی ادھر تھا۔ نہ

اُدھر! اور پھر بستی کے باہر کا راستہ! راہ میں ایک دو پیپل کے پیڑ بھی پڑتے تھے۔ جن کی بابت بے شمار دل دہلانے والے قصے سن چکا تھا۔

پہلے تو جی میں آیا۔ کہ لوٹ چلوں۔ اور مالکہ کو ڈھونڈوں۔ مگر یہ سوچ کر کہ اس سے مالکہ کہیں مجھے ڈرپوک نہ سمجھ بیٹھے۔ میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ سچ کہتا ہوں۔ اگر میری بجائے کوئی انسان ہوتا۔ تو اسے کبھی اتنی جرأت نہ ہوتی۔ مگر ہماری قوم تو ہمیشہ سے بہادری کے لئے مشہور رہی ہے۔

خیر صاحب میں چلتا رہا۔ چاہتا تو سرپٹ چل کر ایک منٹ میں ڈیرے پر پہنچ سکتا تھا۔ مگر اس خیال سے کہ میری ٹاپ کی آواز سن کر کہیں کوئی بھولے بھٹکے کتے پیچھا نہ کر بیٹھیں۔ میں بہت آہستہ آہستہ چلا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا۔ کہ آگے کی طرف سے کچھ آدمی آتے ہوئے نظر آئے۔ مجھے بخوبی معلوم تھا۔ کہ رات کا یہ وقت بھلے آدمیوں کے چلنے کا نہیں ہے۔ اس لئے سڑک چھوڑ کر پٹڑی پر ہو رہا۔ مگر تقدیر ہی میری ایسی تھی۔ کہ جس چیز سے میں نے بچنا چاہا۔ وہی پیش آئی۔ اُن میں سے ایک آدمی بالکل میرے سامنے آگیا۔ اور اندھیرے کے باعث مجھ سے

اس زور سے ٹکرایا۔ جس طرح کبھی کبھی ریل گاڑیاں ٹکرا جاتی ہیں۔ اس کی توند اور میری تھوتھنی میں یکایک ایسی زبردست ٹکر ہوئی۔ کہ اگر اس کے پیٹ کے تمام کل پرزے ڈھیلے نہ پڑ گئے ہوں۔ تو واقعی تعجب کی بات ہے۔

"یہ چوٹ کھا کر وہ بہت گھبرا اُٹھا۔ اور وہ بھوت بھوت چلاتا ہُوا۔ اتنے زور سے بھاگا۔ جتنے زور سے ہم لوگ کانجی ہوس سے بھاگتے ہیں۔ اُسے بھاگتا دیکھ کر اُس کے ساتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں اپنے دل ہی دل میں ہنسا۔ تھوڑی دیر کے بعد سُنائی دیا۔ پیٹ میں ایسے زور کا مُکا مارا۔ کہ میں تو بلبلا اُٹھا۔ پھر سُنا۔ "سچ کہتا ہوں۔ ناخن ایسے تیز تھے۔ کہ راجپوں کو مات کرتے تھے۔" پھر سُنا۔ "گنگا جی کی قسم۔ پیڑ کے برابر اُونچا تھا۔" میں سوچنے لگا۔ یہ دوسرے بدھشٹر کہاں سے آ ٹوٹے؟

پھر بات چیت شروع ہوئی۔

"اجی دیکھ ہی نہ لو۔ وہ کیا سامنے کھڑا ہے!"

"اے! سچ مچ یہ تو تاڑ سے بھی اُونچا ہے!"

معلوم ہوا۔ کہ اُن میں کوئی سمجھ دار آدمی بھی تھا۔ وہ بولا۔ "کہاں بھئی۔ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا"۔

"ارے یار! وہ کیا ہے سامنے؟ بھئی مجھے رعشہ آیا جاتا ہے"۔
ہاں۔ "بے شک کوئی چیز ضرور ہے۔ مگر یہ تو کوئی چھوٹی سی چیز ہے"۔
"ہاں ہاں لیٹا ہوا ہے۔ ابھی ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے تو لیٹا ہے"۔

ادھر رات زیادہ جاتے دیکھ انسانوں کی عقل کی تعریف کرتا ہوا میں آگے بڑھا۔ مگر اتفاق سے آگے سوکھی پتیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اندھیرے میں جو اس پر پیر پڑا۔ تو چرمر کی ایسی آواز نکلی۔ کہ میں خود گھبرا گیا۔ آس پاس کے درختوں پر جو پرندے بسیرا لے رہے ہیں۔ وہ بھی اڑے۔ اور بے تحاشا چہچہانے لگے۔ ادھر ان آدمیوں کی تو گویا جان ہی نکل گئی۔ ہائے ہائے! ہائے مار ڈالا! کے نعرے بلند کرتے ہوئے ایک دم جان ہتھیلی پر رکھ کے بھاگے۔ اب تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ ہنستے ہنستے میرے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ ساتھ ہی ان بھگوڑوں پر ان کی بے وقوفی ظاہر کرنے کے لئے میں نے بہت ہی اونچے سُر سے دو ایک گانے بھی اڑا دیئے اور چلتا بنا۔

چلتے چلتے سنائی دیا۔ "دیکھا! کیسی جلدی گدھا بن گیا!"

پکڑ دھکڑ

اس کے بعد اس رات اَور کوئی بات نہ ہوئی۔ اور میں صحیح سلامت گھر پہنچ گیا۔ مالکہ ابھی تک واپس نہ آئی تھی۔ اس لئے کھانے کو کچھ بھی نہ ملا۔ مگر میں نے اس بات کی کچھ پرواہ نہ کی اور چپ چاپ اپنے تھان پر جا کر سو رہا۔ صبح جو آنکھ کھلی۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ مالکہ سامنے کھڑی ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک اَور صاحب بڑی شان و شوکت سے کھڑے ہیں۔ اُن کو میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس لئے دل میں سوچنے لگا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ جو اتنے تڑکے میرے درشن کے لئے تشریف لائے ہیں؟ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر کار اُن کی بات چیت سے کل حال معلوم ہو گیا۔

"کل تو سرکس میں یہ خوب رنگ لایا"۔

"ہاں صاحب! بڑا سمجھ دار گدھا ہے"۔

"تمہارے ہاں کتنی مدت سے ہے؟"

"یہی کوئی دو مہینے سے"۔

"تم نے اسے کہاں سے لیا تھا؟"

"ہمارے ہاں تو یہ خود ہی آگیا تھا"۔

ٹھیک ہے۔ کل بھی تمہارے ہاں کا ایک آدمی سرکس میں کہہ رہا تھا۔ کہ یہ خود ہی آگیا تھا۔ "اچھا تو اسے بیچو گی؟"

"نا صاحب۔ اسے میں کبھی الگ نہ کروں گی"۔

"وہ کیوں؟ یہ تو پرائی چیز ہے۔ اگر کہیں اس کے مالک نے دیکھ پایا۔ تو پھر خیریت نہیں ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں بیچ ڈالو"۔

اس طرح بڑی دیر تک معلوم نہیں۔ کیا کیا باتیں ہوتی رہیں مگر مالک مجھے بیچنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ اب تو وہ صاحب بہت بگڑنے۔ اور لگے پاگل کتے کی طرح بھونکنے۔ اچھا نہ بیچو۔ دیکھ لیں گے۔ ابھی جا کر تھانے میں رپٹ لکھواتا ہوں۔ دیکھنا کیسی بندھی بندھی پھرتی ہو۔ پرائے مال پر اتنی شیخی!

مجھے خوف تھا۔ کہ بابو جی بھونکتے بھونکتے کہیں کسی کو کاٹ

نہ کھائیں۔ اس لئے بار بار میرا جی چاہتا۔ کہ جب تک بابوجی ہیں اپنے دانتوں کا ثبوت دیں۔ ہمیں کیوں نہ اُنہیں اپنے دانتوں کی طاقت دکھا دیں۔ مگر خود پہل کرنا مناسب نہ معلوم ہوا۔ اس لئے چپ رہا۔ لیکن جب بابوجی کو طرح طرح کی باتوں سے ہماری مالکہ کی بے عزتی کرنے پر بھی صبر نہ آیا۔ اور جب اُنہوں نے اس بے چاری کا کوئی سیدھا سادا جواب سُن کر جامے یا پاجامے سے مجھے (ٹھیک یاد نہیں ہے۔ کہ محاورہ کیا ہے) باہر ہو کر کمزور عورت پر چھڑی اُٹھائی۔ تب تو مجھے اپنا تھان چھوڑنا ہی پڑا۔

میں جھگڑے میں پڑنے سے بہت ڈرتا ہوں — کون بھلا آدمی ہے۔ جو نہیں ڈرتا ہے۔ مگر جب کوئی بلا وجہ کسی عورت کے (اور وہ بھی میری مالکہ کے) پیچھے پڑ جائے۔ اس کی بے عزتی کرے۔ اور اُسے ڈنڈا دکھائے۔ اور ایسی حالت میں تو اگر اِندر دیوتا بھی ہوں۔ تو میں اُنہیں بھی پکڑ کر دبائے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ آدمی بے چارے (اور وہ بھی بابو!) کی تو ہستی ہی کیا؟

بابوجی کے پاس پہنچ کر میں نے اُن کے پیر کا وہ حصّہ جو جوتے سے اوپر رہتا ہے۔ اور جسے موزے کے اوپر کا اور پاجامے کا نیچے کا حصّہ ڈھکے رہتا ہے۔ اپنے دانتوں میں دبا لیا۔

خیریت یہ ہوئی۔ کہ بابوجی موٹی پتلون چڑھائے ہوئے تھے۔ کہیں نوابی ٹھاٹھ کا زیب دار پاجامہ ہوتا۔ تو غضب ہوجاتا + مگر پھر بھی غضب ہی ہوگیا۔ میرے ایک ہی جھٹکے میں ایک بالشت کپڑا پتلون سے نکل آیا۔ اور پتلون کی جڑ ہی غائب ہوگئی ؁

یہ حال دیکھتے ہی بابوجی چلّانے لگے "۔ ارے! میری ساڑھے سات روپے گز کے کپڑے کی پتلون۔ ہائے رے۔ مار ڈالا!!"

ادھر میں نے ذرا اور اونچے دانت گاڑے اور جھرررر! اس دفعہ تو ایک خوب صورت پٹّی کی پٹّی اُتر آئی۔ ساتھ ہی کئی ایک بٹن چٹ چٹ کرکے خدا جانے کہاں اُڑ گئے۔ اتنے میں بابوجی کے بھولے بھٹکے ہوش حواس شاید گھر واپس آگئے۔ انہوں نے چھڑی زمین پر پھینک دی۔ اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ پتلون کے ساتھ رسّہ کشی کی مشق کرنے لگے۔ میرا جی تو چاہتا تھا کہ اب دوسرے پائینچے پر بھی یہی سلسلہ شروع کروں۔ کہ پتلون کی جگہ ایک اچھا خاصہ ڈھیلا ڈھالا ہوا دار پینٹ تیار ہوجائے مگر دل کی دل ہی میں رہ گئی + کیا کرتا۔ وہ چھڑی تو پھینک ہی چکے تھے۔ اب اُن کی پتلون پھاڑنے سے کیا فائدہ تھا؟ لیکن میں اپنی آرزو پوری کرلیتا۔ تو شاید بابوجی کے لئے

زیادہ مفید ہوتا۔ کیونکہ اس حالت میں اُن کے دونوں پائنچے یکساں تو ہو جاتے۔ اب تو ڈیڑھ ٹانگ کی پتلون پہنے آپ ایک عجیب غریب مخلوق نظر آتے تھے۔ مگر مثل مشہور ہے۔ کہ رسّی جل جائے۔ اور اُس کا بل نہیں جاتا۔ اب بھی بہت اکڑ کر اپنا تمام بدن تان کر اور ستر کونے کا منہ بنا کر آپ نے فرمایا۔ "میری ساڑھے سات روپے گز والی پتلون کی یہ حالت! ٹھہرو تو کمبختو! دیکھ لوں گا! ہائے میری پتلون!"

ایک سانس میں پتلون اور دوسری میں کمبختوں کا ذکر بابو جی کے منہ سے ایسا پیارا معلوم ہوتا تھا۔ کہ جی چاہتا تھا۔ کہ دن بھر بیٹھے سنا کریں۔ مگر بابو جی کو شاید کہیں جانے میں دیر ہو رہی تھی۔ اس لئے ملاقات ختم ہی کرنے پر تل گئے۔ میں نے اشاروں ہی اشاروں میں اُن سے کچھ دیر اور لڑنے کے لئے بہتیرا اصرار کیا۔ مگر بابو جی کو نہ معلوم کیا ہو گیا تھا۔ شاید گھر یاد آگیا تھا۔ کہ آپ نے میری طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ میں نے بھی دل میں کہا۔ کہ اب یہ بے رخی! کہاں تو مجھے خریدنے آئے تھے۔ اور کہاں اب یہ ناز!

بابو جی ایک دم جھپٹ کر بڑھے۔ اور بڑھے کدھر۔ میرے

جھونپڑے کے پچھواڑے۔ میں تو سہم گیا۔ کہ کہیں ڈنڈا بازی کی نوبت نہ آپہنچے۔ مگر نہیں۔ آپ اپنی پیرگاڑی لینے گئے تھے۔ مگر اُسے لے کر ابھی آپ میرے سامنے بھی نہ آنے پائے تھے۔ کہ چلّانے لگے۔ ایں یہ چین (زنجیر) کس نے اُتار دی۔ ارے یہ پنکچر کس نے کیا؟ لو ساری ہَوا نکل گئی۔ ہائے گھنٹی بھی غائب اور پمپ بھی لاپتہ!"

میں فوراً تاڑ گیا۔ کہ جس طرح ادھر ہم لوگ خالی نہیں بیٹھے۔ اس طرح اُدھر میرے دونوں سوار بھی غافل نہیں رہے۔ بابوجی بار بار یہی باتیں کہہ کر ایسا منہ بناتے۔ کہ مجھے ڈر لگا کہیں ان کے دل کی حرکت تو نہیں بند ہوگئی۔ بابوجی خوب چلّائے۔ گرجے۔ دہاڑے۔ مگر ساری پارٹی میں سے کوئی شخص ایک لفظ بھی نہ بولا۔ سب خاموش رہے۔ تب تو غریب کو رونا سا آگیا۔ منت خوشامد کرنے لگے۔ او بھائی! پرائی پیرگاڑی ہے۔ پمپ اور گھنٹی جس نے لی ہو۔ دے دو۔ نہیں تو بُرا پھنسوں گا یہ درخواست جب انہوں نے طرح طرح۔ کبھی بیٹھ کر اور کبھی کھڑے ہو کر۔ کوئی سو بار جب کر سنائی۔ تب کہیں میری مالکہ ان پر ذرا مہربان ہوئی۔ اس نے بابوجی پر ترس کھا کر اپنے

میں بہت ہی پیاری نئی نئی دوب اُگی ہوئی تھی - میں نے کہا- چلو ایک منہ مارتے چلیں + مگر شریر دھوبی کی نگاہ مجھ پر تھی- ابھی میں نے گھاس کو منہ بھی نہ لگایا تھا- کہ اوپر سے ایک ڈنڈا پڑا + میں کیا کرتا - چل پڑا ۞

بس اس وقت سے میرا دل اس شخص سے پھر گیا + آخر بے رحمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے - اگر کوئی قصور ہو- تو ضرور پیٹو - مگر بلا کسی قصور کے کسی کو پیٹ ڈالنا کیا معنی رکھتا ہے- یہ تو انسانوں ہی کو معلوم ہوگا + اچھا کہو - راستے میں ایک نوالہ گھاس لے لینا گناہ ہے ؟ آدمی تو راستے میں ایسی ایسی مزے دار چیزیں کھاتے ہوئے چلتے ہیں - جو بے چارے گدھوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں ہوتیں + اگر کہیں گھاس کی جگہ کچھ آم پڑے ہوتے - تو میرے آقا صاحب انہیں ہضم کئے بغیر چھوڑ دیتے ؟ پہلی دفعہ بھی میرا کیا قصور تھا ؟ ذرا ورزش کر رہا تھا + اتنی سی بات پر دس بیس ڈنڈے جڑ دیئے + اب کیا ورزش کرنا بھی گناہ ہے ؟ چاہیئے تو یہ - کہ خود بھی ورزش کرے - اور دوسروں کو کرتے دیکھ کر اُن کا حوصلہ بڑھائے + نہ کہ اُن پر بے تحاشا ڈنڈے برسانے لگے + اگر خود ورزش کرنے کی طاقت نہیں تھا-

دونوں سپوتوں کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ مگر ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آخر کار تقریباً تین گھنٹے کی تلاش کے بعد ان کا پتہ چلا۔ جہاں وہ کھیلتے کھیلتے پہنچ گئے تھے۔ مگر اُن کے پاس صرف گھنٹی ہی ملی۔ پمپ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آخر بابو جی وہ گھنٹی پاکر دوپہر بعد گھر کو روانہ ہو گئے۔ اور جاتے وقت یہ کہہ گئے "دیکھنا کمبختو! اس کا کیسا مزا چکھاتا ہوں"۔

مجھے بار بار خیال آتا تھا۔ کہ نہ معلوم بابو جی گھر پہنچ کر یہاں کا کیا حال بیان کریں گے۔

چھٹکارا

ہماری پارٹی کا اُس شہر سے دو ایک روز بعد کوچ کرنے کا ارادہ تھا۔ مگر اس واقعہ کے بعد اُسی روز کوچ کرنے کی ٹھہر گئی۔ عقل مندوں کی رائے ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے۔ جھگڑے سے بچنا چاہیئے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جھگڑے سے بچنے کے لئے ہم لوگ ذرا جلدی چل دیئے۔ آپ اسے بھاگنا نہ سمجھ بیٹھیں۔ بھاگنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ بھلا یہ کہیں ہو سکتا تھا۔ کہ اس پتلون والے بھبوندو کے ڈر سے ہم لوگ اپنا پڑاؤ چھوڑ دیتے؟ اپنی خوشی اور مرضی سے ـــ کسی کی رائے یا زور سے نہیں ـــ ہم اُس مقام سے رخصت ہوئے۔ یہی بات ہماری مالکہ نے سب کو سُنا کر صاف صاف کہہ دی تھی۔ چنانچہ اس بات میں گھاس کے بیج برابر بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ تل اور پوست کے دانے کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔

تقریباً ایک گھنٹے کی تیاری کے بعد ہمارا قافلہ چل پڑا۔ اور ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی اس قافلے کا رہبر میں ہی تھا مجھ پر وہی میرے پرانے سوار ـــــ چتبو اور گپتو ـــــ ڈٹے ہوئے تھے۔ راستے میں مجھ پر اور میرے سواروں پر جس کسی کی نظر پڑ جاتی۔ وہ دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ ایک راہ گیر کو میں نے یہاں تک کہتے سُنا۔ "واہ کیسی رام لچھمن کی ہی جوڑی بنی ہے۔ اور گدھا بھی نیل کنٹھ کا اوتار معلوم ہوتا ہے!"

یہ میں مانتا ہوں۔ کہ اتنا کہہ کر اُس شخص نے زور کا قہقہہ لگایا تھا۔ اور اس کے ساتھی بھی تالیاں بجا بجا کر ہنستے تھے۔ مگر اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہمارے درشن سے ان کی بھگتی (عقیدت) اُمڈ پڑی تھی ـــــ یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ ہمارا مذاق اُڑا رہے تھے۔

اس روز ہم خوب چلے۔ چلتے چلتے شام پڑ گئی۔ پھر رات پڑ گئی۔ مگر ہمارا چلنا بند نہ ہوا۔ پہلے تو کچھ زیادہ تکلیف معلوم نہ ہوئی۔ مگر جب رات بہت چلی گئی۔ تب تو مارے تکان کے ایک ایک قدم اُٹھانا دوبھر ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ پیروں کے راستے دم نکلا جا رہا ہے۔ بہت کوشش کے باوجود بھی گردن جھکی پڑتی

تھی۔ منہ کھلا جاتا تھا۔ جیبھ نیچے کی طرف لٹکی پڑتی تھی۔ گویا زمین کو چھونے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی۔ ساری پارٹی بالکل چپ چاپ چلی جا رہی تھی۔

اگرچہ مارے تکان کے میں بالکل چور اور بے حال ہو رہا تھا۔ مگر یہ ہرگز نہ چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح اپنی کم زوری کا ثبوت دوں اور ٹھہر جاؤں۔ آخر کار یہ سوچ کر کہ شاید ساری پارٹی میرے ہی رُکنے کی راہ دیکھ رہی ہو — کیونکہ آخر میں ہی تو پارٹی کا لیڈر تھا — میں ایک جگہ یک لخت رُک گیا۔ میرے رُکتے ہی ساری کی ساری پارٹی یک لخت رک گئی۔ دو چار اشخاص کے سوائے باقی سب نے وہیں رات گذارنا مناسب خیال کیا۔ جو دو چار آگے چل کر ٹھیرنا چاہتے تھے۔ میرے پاس آئے۔ اور مجھ سے آگے چلنے کی فرمائش کی۔ مگر میں اس وقت ٹس سے مس نہ ہوا۔ بلکہ اُن کی اس فرمائش سے مجھے غصہ آگیا۔ اور میں نے زوردار آواز سے اُن کو ایسا دھمکایا۔ کہ غریبوں کو چپ ہو جانا پڑا۔ ڈسپلن[1] بگاڑنے والوں کو چپ کرانے کا بھلا اس سے زیادہ سہل اور کون سا طریقہ ہے؟ آخر کار اُسی جگہ رات بسر کرنے کی

---

[1] ضبط Discipline

ٹھہر گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں سارا انتظام ہو گیا۔ اور میں بھی تھوڑی سی گھاس کھا کر خرّاٹے لینے لگا۔

اگلی صبح ہم لوگ کوچ کرنے کی تیاری کر ہی رہے تھے۔ کہ کئی پولیس والے یکّوں پر سوار ہمارے پڑاؤ پر آ پہنچے۔ ان کے ساتھ وہ کل والے ہمارے دوست بابو جی بھی تھے۔ انہوں نے "یہی تو ہیں! یہی تو ہیں!" کا شور مچا دیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولے "جی ہاں۔ یہی تو وہ بدتمیز گدھا ہے"۔ ساتھ ہی اپنی انگلی کا بھالا بنا کر میری طرف اشارے کرنے لگے۔

مگر پولیس والے یہاں بہت دیر نہ ٹھہرے۔ معلوم نہیں۔ مجھ سے ڈر گئے۔ یا خانہ بدوشوں کی زیادہ تعداد سے گھبرا گئے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا۔ کہ وہ بھی مجھے آدر اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ میری مالکہ اور اس کے ساتھیوں کے نام اور گاؤں پوچھنے کے بعد چلتے وقت وہ میرے پاس بھی آئے۔ اور مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ مگر اسی اثنا میں بابو جی بھی میرے پاس تشریف لائے۔ اور ایک رسّی میرے گلے میں ڈال مجھے کھینچنے لگے۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ایک دو پولیس والوں

نے بھی انہیں اس کام میں مدد دی۔ بغیر اُن کی مدد کے بابو جی کی سات پشت اِدھر اور سات پشت اُدھر والے بھی میرا بال بیکا نہ کر سکتے۔ باندھ کر کھینچا تو الگ رہا۔ آخر کار انہوں نے مجھے ایک یکّے کے پیچھے باندھ دیا۔

میں سوچ رہا تھا۔ کیا کروں۔ کہ اتنے میں کھڑ کھڑ کر کے یکّہ چلتا بنا۔ اور میرے پیر گھسٹنے لگے۔ مجھے اپنی جان بچانے کو یکّے کے ساتھ دوڑنا پڑا۔ افسوس ہے۔ پہلے خیال نہ آیا۔ ورنہ کسی دبلے پتلے ٹٹو کی کیا بساط تھی۔ جو مجھے پکڑ کر کھینچ سکتا؟ سچ کہتا ہوں۔ ایسا رسّہ کشی کرتا۔ کہ یکّہ اور ٹٹو دونوں ہی کی جان پر آ بنتی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ بس اپنی غلطی پر اپنے آپ کو کوستا ہُوا رہ گیا۔

مگر یہ کوسنا بھی دیر تک جاری نہ رہا۔ کیونکہ پاؤں بُری طرح گھسٹتے چلے جا رہے تھے۔ میں سوچنے لگا۔ کہ اُس روز کی دوڑ تو کچھ بھی نہ تھی۔ اصلی دوڑ تو آج ہوئی ہے۔ اُدھر ایک بار مالکہ کا خیال آیا ـــــ پہلے بھی کئی دفعہ آتے آتے رہ گیا تھا۔ ایک دفعہ اسے دیکھنے کے لئے میں نے پیچھے کی طرف سر بھی پھیرا۔ مگر ایسا جھٹکا لگا۔ کہ گردن ٹوٹتے ٹوٹتے رہ گئی۔ کیا کرتا۔

دل مسوس کر رہ گیا۔ پھر دوبارہ مالکہ کو دیکھنے یا اپنی بے چاری غلطی کو بُرا بھلا کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ اب تو صرف پیروں کو ریل گاڑی کے پہیوں کی مانند تیزی سے چلانے کا خیال تھا۔ مگر اس بات کا میں نے پکّا ارادہ کر لیا تھا۔ کہ جب موقعہ ملا۔ مالکہ کے پاس لوٹ آنے سے ہرگز نہ چوکوں گا۔

کئی کوس کی سخت دوڑ کے بعد آخر کار ایک مقام پر یکہ رُکا یہاں دو ایک چھوٹی موٹی دُکانیں تھیں۔ سب لوگ یکوں سے اُتر کر کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔ بعض آدمی جو یکوں میں بیٹھے بیٹھے تھک گئے تھے۔ یوں ہی ٹانگیں سیدھی کرنے کو اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ ٹٹوؤں کو بھی تھوڑی تھوڑی گھاس ملی۔ مگر مجھے یوں ہی فاقہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ اگر میں چاہتا۔ تو بڑے مزے میں ان بزرگ ٹٹوؤں سے گھاس لے سکتا تھا۔ مگر مجھے اور ہی دھن لگی تھی۔ اس لئے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

اصل میں رسّی کاٹنا اس قدر آسان کام نہیں۔ جتنا میں سمجھتا تھا۔ سچ مچ گھاس کھانے والے دانتوں میں اگر کوئی نقص ہے۔ تو یہی۔ ساتھ ہی رسّی بھی کچھ کم مضبوط نہ تھی اور اس پر طرّہ یہ

کہ اُسے سب سے چھپا کر کاٹنا تھا۔ سارا مزا کرکرا ہو گیا۔ جب تک یکہ ٹھہرا رہا۔ اس وقت تک میں صرف ایک ہی لڑکا کاٹ سکا۔ اور وہ بھی بہت دانت پیسنے کے بعد ؛

اب یکے نے چلنے کی تیاری کی۔ ادھر میں نے بھی رسہ کشی کا انتظام کیا۔ اور اُلٹی طرف منہ کر کے کھڑا ہو رہا۔ پاؤں میں نے زمین میں اس طرح جما دیئے۔ جس طرح انگد نے راون کے سامنے جما دیئے تھے۔ اُدھر یکہ چلا۔ مگر صرف ایک فٹ چل کر رک رہا۔ یکے والے نے سڑ سے گھوڑے کے چابک مارا مگر کیا مجال کہ یکہ ٹس سے مس ہو جائے۔ اب تو یکہ والے نے چابک پر چابک پھٹکارنے شروع کر دیئے۔ ابھی تک میری کرتوت کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا تھا۔ مگر جب لوگوں نے دیکھا۔ کہ ٹٹو چابک پر چابک گھاس کی طرح کھاتا چلا جاتا ہے اور ڈکار تک نہیں لیتا۔ تو اس وقت وہ یک لخت میری طرف متوجہ ہوئے۔ میری حالت دیکھتے ہی سب حیرت میں آ گئے۔ بھئی کمال کیا! گدھا کیا ہے۔ پورا شیطان ہے۔ وغیرہ وغیرہ آوازیں آنے لگیں۔ ساتھ ہی قہقہے بھی لگے۔ میں نے بھی دل میں کہا۔ خواہ شیطان کہو۔ خواہ حیوان۔ میں اپنی جگہ سے تو ٹلتا نہیں ؛

اب دیکھنے والے کو بھی اس رسہ کشی میں لطف آنے لگا۔ بعض گھوڑے کو اُکساتے۔ اور بعض مجھے۔ یکہ والا بھی گھوڑے کی اچھی طرح سے مزاج پُرسی کرنے لگا۔ گھوڑے بے چارے نے بھی بہتیرا زور لگایا۔ پینترے پر پینترے بدلے۔ خوب کان پھڑ پھڑائے۔ مگر یہاں تو وہی زمین جنبد نہ جنبد گل محمد والا مضمون رہا۔

اب تو سب نے باپ کی لڑائی ٹھان لی۔ دو ایک آدمیوں کے سوائے سب کے سب اُسی ٹٹو کی طرف ہو گئے۔ مگر اُس کے باوجود بھی میں بہادر ابھنیو کی طرح بے خوف ڈٹا کھڑا رہا۔ مگر آخر کار دو کم بختوں نے میرے پاس آکر مجھے اپنی جگہ سے دھکیل دیا۔ پھر بھلا کیا ہو سکتا تھا۔ گھوڑے کی فتح کا جھنڈا آسمان پر اڑنے لگا۔ اور مجھے پھر پہلے کی طرح یکے کے ساتھ ساتھ دوڑنا پڑا۔ میں نے تو سوچا تھا۔ کہ شاید اس کھینچا تانی میں رسی ٹوٹ جائے گی۔ اور میں پھر آزاد ہو کر اپنے باندھنے والوں کو کھیتوں کی ہوا کھلاؤں گا۔ اور اس کے بعد اپنی مالکہ کے قدموں میں جا پہنچوں گا۔ مگر یہ تو تقدیر میں لکھا ہی نہ تھا۔ ورنہ میں کیا رسی کی صرف ایک ہی لڑ کاٹ سکتا؟

بابو جی کی مٹی خراب

یکّہ چلتا چلتا سُرخ رنگ کی ایک سٹریل سی عمارت کے سامنے رُک گیا۔ یہی پولیس والوں کا "تھان" تھا۔ جسے تھانہ کہتے ہیں + یکّے والوں کے اور میرے سوا باقی سب لوگ اندر چلے گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد دو سپاہی آئے۔ مجھے بھی اندر لے گئے + مجھ کو برآمدے میں کھڑا کیا گیا + داروغہ صاحب اندر ایک تخت پر تشریف فرما تھے۔ دربرآمدے سے اُن کے خوب درشن ہوتے تھے + اُن کی چتون اور بات چیت سے بے حد بہادری جھلکتی تھی۔ میں تو انہیں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اور سلام کرنا بھی بھول گیا +

پھٹتے ہوئے جوالا مکھی کی طرح گرجتے ہوئے داروغہ

توخیر نہ کرو۔ مگر دوسروں کو مضبوط و توانا بنتے دیکھ کیوں چلو؟ بس کیا کہوں مجھے تو آدمیوں کے انصاف کا بہت ثبوت مل گیا۔

مگر اب بھی دھوبی کی آنکھ بچا کر میں اپنی کسرت کی مشق کیا کرتا تھا۔ رات کو گھر میں اچھا موقعہ ملتا تھا۔ اپنے دوست کو شاباش دینے یا واہ واہ کرنے سے پہلے ہی روک دیتا تھا۔ اس لئے وہ غریب چپ چاپ ہی خوشی منا لیتا تھا۔ گھاٹ پر بھی جب ہماری لادی اتار لی جاتی۔ تو ہم آزاد ہو کر خوب پھرتے۔ اور ہری ہری گھاس چرتے رہتے۔ کبھی کبھی میں کچھ دور بھی نکل جاتا۔ اور کسی چھوٹے سے پیڑ کو نشانہ بنا کر دلتیاں جھاڑتا۔ کبھی کبھی یوں ہی ہوا میں پیر پھینک پھینک کر مشق کیا کرتا تھا۔ غرض تھوڑے ہی دنوں میں میں اس کام میں اتنا ماہر ہو گیا۔ کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز پر زوردار نشانہ لگا سکتا تھا۔

ایک روز میں گھاٹ پر چہل قدمی کرتا کرتا دور نکل گیا۔ میں نے سوچا۔ شام تک گھاٹ پر پھر پہنچ جاؤں گا۔ اس وقت کوئی خاص کام تو ہے نہیں۔ ذرا سیر سپاٹا ہی کر لو۔ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پہنچا۔ کہ طبیعت بھڑک اٹھی۔ ہر جگہ گھنے گھنے درختوں کا سایہ تھا۔ اور ہری ہری دوب چاروں طرف لہلہا رہی

صاحب نے میرا حلیہ لکھنے کا حکم دیا۔ میں سہم گیا۔ سوچا۔ کہیں حلیہ۔ پھانسی۔ کو تو نہیں کہتے؟ پھر تھوڑی ہی دیر میں جب ایک سپاہی کو فیتہ ہاتھ میں لئے اپنا جسم ٹٹولتے دیکھا۔ تو یہ شک اور بھی بڑھ گیا۔ مگر ملائم فیتے کا خیال کر کے دل کو کچھ تسکین حاصل ہوتی تھی۔ اسے چھونے سے تو یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ میرا کیا یہ ایک چھچھوندر کا بھی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

مگر میرا تمام خوف و ہراس بے بنیاد ثابت ہوا۔ سپاہی نے میری گردن پر ہاتھ پھیر کر کہا "گردن پر ایک سیاہ داغ"۔

داروغہ صاحب لکھنے لگے۔

سپاہی پھر بولا "بائیں کان میں ایک تل"۔

داروغہ صاحب نے پھر کچھ گھسیٹا۔

اس کے بعد سپاہی نے میری اونچائی اور لمبائی کا ناپ داروغہ صاحب کو لکھوایا۔ میں تو سمجھتا تھا۔ کہ بدن کے ہر حصے کا الگ الگ ناپ ہوگا۔ مگر نہ ہوا۔ چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ نہیں تو بڑی دیر لگتی۔ اس کے بعد مجھے چھٹی مل گئی

اور پہلے کی طرح پھر یکے سے باندھ دیا گیا۔

فراغت پاکر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یکے والے چلم سلگانے میں مصروف ہیں۔ میں موقعہ پاکر رسّی کو چیلنج (چُنوتی) دینے لگا۔ آہستہ آہستہ ایک لڑ اَور کاٹ ڈالی۔ بس اب دو ہی لڑوں کی اَور کسر باقی تھی۔ اتنے میں ایک کم بخت یکے والے کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی۔ وہ لگا ٹیں ٹیں کرنے۔ مگر چلم اُسے اتنی پیاری تھی۔ کہ ٹرانے کے سوائے اس نے اَور کچھ نہ کیا۔ اِدھر میں اپنا کام اَور بھی مستعدی اور تن دہی سے کرنے لگا۔ دانتوں میں خدا جانے اتنی تیزی کہاں سے آگئی۔ کہ تیسری لڑ تو دو ہی منٹ میں صاف ہو گئی۔

اب کے تو یکے والے سے نہ رہا گیا۔ وہ چلم ایک طرف رکھ کر "دیکھو گدھا رسّی کاٹے ڈالتا ہے!" کہتا ہُوا اسی لال رنگ کی کھپریل کے اندر دوڑا دوڑا گیا۔ ایک منٹ میں وہی ہمارے پُرانے دوست بابو جی من من کرتے ہوئے نکل پڑے۔ "ارے ذرا دیکھتے رہنا۔ جانے نہ پائے۔ جب تک مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ یہ میرے ہی پاس

رہے گا"۔

ادھر میں اب تک آخر لڑکو بھی اپنے دانتوں کی بہت کچھ کرامات دکھا چکا تھا۔ بابو جی کی یہ سریلی رسیلی من من سُن کر مجھے جوش جو آیا۔ تو میں نے ایک ایسا جھٹکا دیا۔ کہ رسّی ایک دھیمی سی پٹ کی آواز کے ساتھ میرے قربان ہونے لگی۔

بابو جی کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح آزاد دیکھ کر پہلے تو جی میں آیا۔ کہ بابو جی نے میری خاطر جو جو تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔ اُن کا شکریہ ادا کرتا چلوں۔ مگر اس خوف سے کہ کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے۔ میں یوں ہی چل دیا۔ اُدھر مجھے جاتے دیکھ بابو جی کو بخار سا چڑھ آیا۔ اور آپ کانپتے ہوئے مجھے پکڑنے دوڑے۔ یکے والوں نے بھی اُن کا خوب ساتھ دیا۔ مگر مجھے پکڑنا اتنا آسان نہیں تھا۔ جتنا وہ سمجھتے تھے۔ میں دو ہی زقند بھر کے چوراہے سے باہر ہو رہا۔

میرے پکڑنے والوں کا بُرا حال ہُوا۔ بابو جی نے تو اتنی پھرتی دکھائی۔ کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک کنارے

کی نالی میں لیٹ رہے۔ ایک یکہ والا۔ ایک دہی بڑے والے سے ایسا ٹکرایا۔ کہ دونوں کے دونوں دہی بڑوں سمیت خاک چاٹنے لگے۔ اور پہلے دہی سے اور بعد میں مٹی سے جو کپڑے لت پت ہو گئے۔ وہ رہے الگ + دوسرا یکے والا نالی میں پڑا پڑا بابو جی کو دلاسا دینے لگا۔ شاید اُن سے کہہ رہا تھا۔ کہ اس نالی کا پانی پینے کے لائق نہیں ہے۔ آگے نل پر چل کر پیجئے گا۔

ضرور یہی بات چیت ہوئی ہو گی۔ کیونکہ اس کے ذرا دیر بعد ہی بابو جی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سیدھے نلکے پر پہنچے + یہاں میں بابو جی کی سچی لگن کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ اتنی پیاس ہوتے ہوئے بھی مجھے نہ بھولے۔ وہیں گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے اور بازار والوں سے مجھے پکڑنے کے لئے کہنے لگے۔ گویا بازار والوں کو اپنا کوئی کام ہی نہ تھا۔

مگر اسی اثناء میں بابو جی پر ایک اَور مصیبت آ پڑی + بے چاری مصیبتیں بھی لاچار تھیں۔ بابو صاحب کے مارے انہیں چین ہی نہ ملتا تھا + اے بھائی! جب ٹانگوں میں جان نہیں۔ تو کسی کے پیچھے پیچھے کیوں کود دے کود دے

پھرتے ہو؟ کیا اس روز گدھا دوڑ میں تمہارے ایسے تیز گدھے نہیں تھے۔ جنھیں میں نے نہایت آسانی سے ہرا دیا تھا؟ پھر یہ کوشش کیوں؟ مگر دوسرے کی بات کہے کون؟ انسان اپنے کو "سمجھ دار حیوان" کہتے ہیں — یہی انسان کی تشریح ہے — لیکن اگر انسانوں میں بابو جی جیسے جانور بھی موجود ہیں۔ تو پھر "بے سمجھ حیوان" کس کو کہیں گے؟

ہاں تو بابو جی پر ایک اور مصیبت آپڑی + بات یہ ہوئی۔ کہ نل پر کچھ آدمی پانی بھر رہے تھے۔ آپ نے اُن کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ اور بے تحاشا دوڑتے ہوئے ان کے بیچ میں گھس آئے۔ اور نل کی ٹونٹی پکڑ کر گھمانے پھرانے لگے + ان لوگوں کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی — کیوں یہ میں نہیں کہہ سکتا + عورتیں تو آگ بگولا ہو گئیں۔ بعض ان کی صورت شکل کا نہایت پُرزور الفاظ میں اور نہایت دلکش انداز سے بیان کرنے لگیں۔ اور کچھ لگیں ان کی سات پشتوں تک کی خبر لانے + مردوں نے بھی اُنہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ اور ایک شخص نے تو جوش میں آکر اپنا گھڑا

ہی ان پر دے مارا۔ جس سے وہ جھٹ لاپتہ ہو گئے۔ نالی کے کیچڑ گارے میں کوٹ۔ بُوٹ اور ٹوپ لت پت ہو رہا تھا+ آپ کے درشنوں کے لئے تو بازار والے پہلے ہی بے تاب نظر آتے تھے۔ یوں غسل پاتے دیکھ لوگ دُکانیں چھوڑ ٹوٹ پڑے۔ اور بابوجی کے درشنوں سے اپنا جنم سپھل کرنے لگے+ بولڑکے سڑک کے کنارے کھیل رہے تھے۔ اُن کی ایک بہت بڑی ٹولی اُن کی خدمت میں آحاضر ہوئی۔ اور "لُو لُو ہے!" کے آوازے کس کر اور تالیاں بجا بجا کر اُن کی تعریف کرنے لگی+ ایسے موقعہ پر جب بابوجی نے اپنے پھیپھڑوں کو خوب پھیلا کر "ابے ذرا اس گدھے کو پکڑ لینا"۔ کی سُر چھیڑی ہو گی۔ تب کیا ہوا ہو گا۔ یہ آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں؟

اُن کی بات ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی۔ کہ لڑکوں کی ٹولی سے آواز آئی۔ "دھوبی ہے دھوبی!" مگر مجھے پکڑنے کی طرف کسی کا دھیان بھی نہ گیا۔ یہاں تک کہ اُن کے محافظ اور مددگار دونواں یکے والے بھی اُن کی ہنسی اُڑانے لگے+

اس کے بعد میں نے اپنا راستہ لیا + ذرا دور جانے کے بعد برتن میں سے پانی انڈیلنے کی آواز بار بار کانوں میں آئی - میں سمجھ گیا - بابو جی کا غسل ہو رہا ہے + اگر بابو جی زیادہ دیر تک چوراہے پر ٹھہرے رہے ہوں گے - تو مجھے پورا یقین ہے - کہ سونٹھ کی منڈی آگرہ جانے کے لئے اُن کا کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور ہو گیا ہو گا ۔

راجت کا زمانہ

دوسرے دن مالکہ سے ملاقات ہوئی۔ مجھے دیکھ کر وہ خوشی سے پھولی نہ سمائی۔ جھٹ میرے لئے نرم نرم گھاس لائی۔ سب خانہ بدوش ایک ایک کر کے مجھے دیکھنے آئے۔ اور میری تعریفوں کے پُل باندھنے لگے۔ میں کیسے بھاگ آیا۔ اس پر طرح طرح کی خیال آرائیاں ہونے لگیں۔ اُس دن میں نے خوب آرام کیا۔ دوسرے دن ہماری پارٹی گاؤں کے لئے روانہ ہو گئی۔

کئی دن کے سفر کے بعد ہم لوگ خانہ بدوشوں کے گاؤں میں پہنچ گئے۔ یہ گاؤں دوسرے گاؤوں سے کسی بات میں کم نہ تھا۔ ہماری مالکہ کے گھر میں اچھی خاصی جگہ تھی۔ مجھے جو چھپر ملا۔ وہ بالکل نیا تھا۔ مالکہ کے بڑے لڑکے نے جو سفر

میں شامل نہ تھا۔ اُسے پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اور میرے کارنامے سُن کر وہ بہت خوش ہوئی۔ مالکہ کے ہاں کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی۔ اور برتن بنانے کا کام بھی ہوتا تھا۔ اسی کام کے لئے مٹی ڈھونے کی خدمت میرے سپرد ہوئی۔ میرے دل میں توہل چلانے کی بھی بے حد تمنا پیدا ہوتی تھی۔ پر نہ معلوم کیوں مالکہ مجھے اس کام کے لائق نہ سمجھتی تھی۔ یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہ آئی کہ جس کام کو مورکھ بھینسے اور بیل کر سکتے تھے۔ اُسے ایک سمجھ دار گدھا نہ کر سکتا! اس شکایت کے سوا مجھے اَور کوئی دُکھ نہ تھا۔

پر دھیرے دھیرے میں اس شکایت کو بھی بھول گیا۔ اور اس گاؤں میں رہنے سے مجھے بڑی خوشی ہونے لگی۔ دن کو ہرے بھرے کھیتوں کی سیر کرتا۔ اور رات کو باڑے میں سُکھ کی نیند سوتا۔ گاؤں کے سب لوگ مجھ سے واقف ہو گئے۔ اور میری خوب عزت ہونے لگی۔ کبھی کبھی دو ایک خانہ بدوش مجھے آس پاس کے گاؤوں کی سیر کرانے لے جاتے۔ اور لوگوں کے سامنے میری

کرامات دکھلا کر پیسے وصول کر لیتے تھے + اس طرح خوب سیر سپاٹا بھی ہو جاتا تھا۔ غرض یہ کہ میں ہر طرح خوش تھا + ہاں اگر کوئی فکر تھی۔ تو یہی۔ کہ کہیں وہ پرانے بابو صاحب آکر مجھے پکڑوا نہ لے جائیں + پر میرا یہ خوف بے فائدہ تھا۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے۔ بابو صاحب کی یاد میرے دل سے مٹتی گئی۔ نہ معلوم بابو صاحب مجھ سے کیوں روٹھ گئے۔ کہ میری سُدھ بھی نہ لی + اس کی وجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ پر یہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کہ بابو صاحب مجھے بھول گئے۔ اتنی جلدی بھولنا تو دور۔ اگر اس زندگی میں ہی وہ مجھے بھول سکیں۔ تو یہی کچھ کم غنیمت ہے!

بس اب یہی میرا گھر ہے۔ مجھے یہاں رہتے سہتے کئی برس ہو گئے ہیں۔ اور اُمید ہے۔ کہ آئندہ بھی یہیں رہونگا + مالکہ بھی بڑھیا ہو چلی ہے۔ اس لئے اب گھومنے پھرنے کا نام نہیں لیتی + گاؤں کے سیدھے سادے لوگوں میں رہنے کی وجہ سے اب میری زندگی بہت چُپ چاپ کٹتی ہے۔ عمر بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ اس لئے اب وہ پہلا سا جوش نہیں رہا۔ پر اب بھی جب

تھی۔ گویا مجھے اپنے پاس بلا رہی تھی + گھر پر جو سوکھی ساکھی گلی سڑی گھاس ملتی تھی۔ اس سے کسی بھلے مانس کا پیٹ کیسے بھر سکتا تھا؟ میں نے خوب مزے سے گھاس اڑائی۔ پھر تھوڑا سا پانی پی کر (زیادہ پانی کی گنجائش ہی نہ تھی) ایک درخت کے تلے آرام کرنے لگا + کیا بیان کروں۔ اس وقت ایسی اچھی ہوا چل رہی تھی۔ کہ بڑے زور کی نیند آگئی + میں نے بھی سوچا۔ چلو ہرج ہی کیا ہے۔ ذرا سو جاؤ۔ چاروں شانے چت لیٹ گیا اور لگا خراٹے بھرنے +

معلوم نہیں۔ کتنی دیر سویا۔ مگر ابھی اچھی طرح آنکھ بھی نہ لگنے پائی تھی۔ کہ نیند ٹوٹ گئی + معلوم نہیں کون میرا نام لے لے کر زور سے پکار رہا تھا + میں نے ابھی تک اپنا نام پڑھنے والوں سے چھپائے رکھا ہے۔ وجہ یہ کہ جس نام سے میرا مالک مجھے پکارتا تھا۔ وہ مجھے سخت ناپسند تھا۔ وہ مجھے "لیچڑ" کہا کرتا تھا۔ پڑھنے والے خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ یہ نام میرے لئے کتنا نامناسب تھا + آخر بڑی محبت بھرے لہجے سے مالک کو لیچڑ لیچڑ پکارتے سن کر میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔ اور ساری پچھلی باتیں بھول کر گھاٹ کی طرف دوڑا + تھوڑی ہی دیر میں

کبھی میں بگڑ بیٹھتا ہوں - تو سارے گاؤں میں ہلچل سی مچ جاتی ہے + اب میرا زیادہ وقت اپنی قوم کے بھائی بندوں کی اصلاح اور انہیں نصیحتیں کرنے میں صرف ہوتا ہے +

کوشل صاحب کی اور کتابیں

جادوگر اور دوسری کہانیاں۔ ایک جادوگر راجہ کا دشمن بن گیا۔ اور اپنے جادو کے زور سے رانی کو اٹھا لے گیا۔ رانی کا تھا ایک بچہ جس کا نام تھا۔ شہزادہ چندر۔ جب وہ بڑا ہوا۔ تو اپنی ماں کو جادوگر کے ہاتھ سے چھڑانے گیا۔ اور بڑی تکلیفیں اٹھا کر اپنی ماں تک پہنچا۔ وہاں سے معلوم ہوا۔ کہ جادوگر کی جان سبز طوطے میں ہے۔ جب تک طوطا نہ مرے۔ جادوگر نہیں مر سکتا۔ چندر پھر دکھ اٹھاتا ہوا روانہ ہو گیا۔ اور آگ کا دریا پار کر کے طوطے تک پہنچا۔ اور اسے مار کر اپنی ماں کو چھڑایا۔ اس کے ساتھ ہی سات ایسی مزے دار کہانیاں ہیں۔ کہ بچوں نے بہت کم پڑھی ہوں گی۔ لکھائی چھپائی اچھی کاغذ عمدہ تین رنگین تصویریں۔ قیمت ۵ ر

بینگن سندری اور دوسری کہانیاں۔ اس کتاب میں بینگن سندری کا بہت لمبا اور بے حد دلچسپ قصہ ہے۔ ایک لڑکی بینگن میں سے نکلی۔ ایک کسان کے ہاں پلی۔ اور آخر بادشاہ کی ملکہ بن گئی۔ بادشاہ کی پہلی بیوی نے اسے ایک ترکیب سے مار ڈالا۔

اور اس کی نعش ایک بند مکان میں رکھی گئی۔ آخر ایک بڑے مزیدار طریقے سے ملکہ کی قلعی کھل گئی۔ اور رنگین سندری زندہ ہو کر پھر بادشاہ سے مل گئی۔ بندر کی عقل۔ بادشاہ کی انگوٹھی۔ نقد سودا۔ بازیگر کا بندر۔ ریچھ کی دُم۔ اور قسمت کا گیت۔ اس کے ساتھ اَور مزے دار اور دلچسپ کہانیاں درج ہیں۔ جنہیں شروع کر کے ختم کئے بغیر کتاب کو ہاتھ سے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی۔ کاغذ عمدہ۔ تین رنگین تصویریں۔ قیمت ۹

اندھا اور بہرا اور دوسری کہانیاں۔ ایک اندھا اور بہرا دونوں جنگلوں میں پھرتے پھراتے جنوں کے محل میں پہنچ گئے۔ ان دونوں نے ایسے مزے دار طریقے سے بہت سے جنوں کا مقابلہ کیا۔ جس کو پڑھ کر بہت مزا آتا ہے۔ بہت ہی پُر لطف اور ہنسانے والا لمبا قصہ ہے۔ ساتھ ہی اور بہت عمدہ کہانیاں بھی ہیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ۔ دو رنگین تصویریں۔ قیمت ۸

نٹ کھٹ پانڈے۔ ایک بہت ہی شریر لڑکے کی بچپن کی کہانی جس سے اُس کے رشتہ دار ہمسائے۔ ماسٹر اور سب لڑکے پناہ مانگتے تھے۔ لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ۔ تین فوٹو کی تصویریں اور ایک سہ رنگی تصویر قیمت مجلد ۱۳

دیگر مصنفین کی کتابیں

گدگدی حصہ اوّل - اس کتاب میں ہنسی کی ایسی کہانیاں جمع ہیں۔ جنہیں روتا ہوا آدمی بھی پڑھے۔ تو کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔ جس کسی نے اس کتاب کو پڑھا۔ اس کی بے انتہا تعریف کی۔ اس سے عمدہ ہنسی کی کہانیاں اور کسی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ رونی سے رونی صورت اور چڑچڑے سے چڑچڑا بچہ اس کتاب کو پڑھ کر ہنس مکھ بن جاتا ہے۔ قیمت ۴ر ۴ پائی

گدگدی حصہ دوم - یہ اسی کتاب کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں اور بہت سی ہنسی کی کہانیاں اور لطیفے درج ہیں۔ جنہیں پڑھ کر مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ کون سا ایسا بچہ ہے جو اس کتاب کے دونوں حصوں کو پڑھے۔ اور ہنستے ہنستے دوہرا نہ ہو جائے۔

کن کٹا قاضی - ایک قاضی صاحب نوکر رکھتے وقت اس سے یہ شرط کر لیا کرتے تھے۔ کہ اگر تم نے ہماری نوکری چھوڑی۔ تو ہم تمہارے کان کاٹ لیں گے۔ اور ہم نے تمہیں علیحدہ کیا۔ تو تم ہمارے کان کاٹ لینا۔ آخر ایک لڑکے نے قاضی صاحب کو ننگی کا ناچ نچا کر ان کے دونوں کان اڑا دیئے۔ نہایت اعلےٰ رنگین تصویریں۔ قیمت ۲ر

پھولوں کی کلیاں حصہ اول - سید امتیاز علی تاج بی اے نے بچوں کے لیئے کہانیوں کے جتنے مجموعے تیار کئے ہیں - یہ اپنی خوبیوں کے لحاظ سے ان سب سے بڑھا ہوا ہے + ہر ایک کہانی عجیب و غریب اور بے حد دلچسپ ہے - جن بچوں کو مضمون لکھنے کا شوق ہو - وہ ان کہانیوں کو پڑھ کر اسی ڈھنگ کی چیزیں لکھنے کی کوشش کرینگے تو بہت جلد کامیاب ہوں گے - قیمت ۴۴ پائی

پھولوں کی کلیاں حصہ دوم - پھولوں کی کلیاں حصہ اول کو چھوٹوں اور بڑوں سب نے اس قدر پسند کیا - کہ سید امتیاز علی تاج کی باقی کہانیاں جو انھوں نے نہایت شوق سے بچوں کے لئے پھول میں لکھی تھیں - اس کتاب میں درج کر دی گئی ہیں قیمت ۵ر ۸ پائی

تغ ملا - ایک عالم فاضل اور بہت تجربہ کار گیدڑ کی آپ بیتی - جو رفتہ رفتہ سردار تغ ملا خاں بہادر کنگ آف عیاری بن گئے تھے - سرورق بہت خوشنما رنگین - اندر کئی سادہ رنگین تصویریں - قیمت ۸

بگلا بھگت - ایک عیار بگلے کی کہانی - جس نے بھگت بن کر ہنسوں کو ٹھگا تھا - رنگین اور خوشنما سرورق - اندر کئی سادہ تصویریں - قیمت ۵ر

دار الاشاعت پنجاب لاہور

مالک کے پاس آکھڑا ہوا۔ دیکھا تو دن ڈھل چکا تھا اور بے چارا گپڈ (یہ میرے دوست کا نام تھا) لدا ہوا کھڑا تھا۔ میں نے سوچا۔ پلوا اچھا ہوا موقعہ پر آگیا۔ مگر میرا مالک مجھے دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے لگا لال پیلی آنکھیں دکھانے اور بُری بھلی سنانے۔ ایک دو ڈنڈے بھی جما دیئے۔ یہ دیکھ کر مجھے اُس پر غصہ آتے آتے رہ گیا۔ اس روز کی گھاس اور نیند نے طاقت بخش دوا کا کام کیا تھا۔ میں نے اسے بھی آنکھیں دکھائیں۔ اور اپنے پچھلے پیروں کی طرف اشارہ کر کے سمجھا دیا۔ کہ اگر میرے ساتھ زیادہ سختی سے پیش آئے۔ تو پھر اپنی جان کی بھی خیر نہ سمجھنا۔ معلوم نہیں وہ میری بات سمجھا یا نہیں۔ مگر اس نے مجھے زیادہ نہیں پیٹا۔ اور لادی لاد کر گھر کی راہ لی۔

ایک نئی آفت

اُس روز رات کو مجھے گھاس بالکل نہ دی گئی۔ مجھے اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ میں پیٹو تھوڑا ہی ہوں۔ اور ایک میرا ہی کیا ذکر۔ ہماری ساری ہی قوم میں شاید ہی کوئی پیٹو ہو۔ بد ہضمی کی شکایت ہم میں کبھی سُنی ہی نہیں گئی۔ ہم اُن لوگوں میں سے تو ہیں نہیں۔ جو کھاتے وقت تو گلے تک کھانا بھر لیتے ہیں اور پھر کسٹر آئل پیتے پھرتے ہیں۔ پیارے پڑھنے والو! تم نے کبھی کسی گدھے کو ہاضمہ کا چورن یا ارنڈی کا تیل دیئے جاتے سُنا ہے؟ نہیں سُنا ہوگا۔ اور اگر سُنا بھی ہو۔ تو سمجھ لینا۔ کہ یہ کسی آقا کی صحبت کا اثر ہے۔

دوسرے روز گھاٹ پر پہنچ کر ایک نئی آفت کا سامنا ہُوا۔ روز تو مالک مجھے کھلا چھوڑ دیتا تھا۔ مگر آج اُس نے میرے دونوں پچھلے پاؤں اکٹھے باندھ دیئے۔ اس سے مجھے چلنے

پھرنے میں تکلیف ہوتی + اب آہستہ آہستہ کود کود کے تھوڑا سا چل سکتا ہوں + ایسی حالت میں کہیں دور تک جانا تو ممکن ہی نہ تھا۔ لاچار وہیں گھاٹ کے آس پاس پھرتا رہا۔ اور وہاں سوکھی ساکھی گھاس کے دو چار ڈنٹھل اُگے ہوئے تھے۔ اُنہی کو کھا کر پیٹ بھرنا پڑا + میرے جیسی بے کسی کی حالت میں اور بھی بہت سے گدھے کھڑے تھے۔ اور گھاس کھانے کا بہانہ کر رہے تھے + اُن میں بعض ایسے بھی تھے۔ جن کے جسم کا کوئی حصہ بندھا ہوا نہ تھا۔ مگر پھر بھی وہ کاٹھ کے پتلے سے نظر آتے تھے + نہ بولتے تھے۔ نہ چلتے تھے + یہاں تک کہ اپنی دم ہلا کر اُن مکھیوں کو بھی نہ اُڑاتے تھے۔ جو ہر وقت اُن پر مہربانی کرتی رہتی تھیں + سب کے سب بےجان سے ہو رہے تھے +

رفتہ رفتہ کل معاملہ میری سمجھ میں آگیا۔ ہمارے مالک ہم کو ذرا بھی کھلا چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارا چلنا پھرنا انہیں بُرا لگتا ہے۔ وہ نہیں چاہتے۔ کہ ہم جہاں چاہیں۔ وہاں جائیں اور جو چاہیں سو کریں + مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا۔ کہ جب ہم اپنا کام ٹھیک طور سے کرتے رہتے ہیں۔ تو پھر ہمیں کیوں باندھ کے رکھا جاتا ہے؟ اگر ہم سب کھلے ہوتے۔ تو بھی بھاگ نہ جاتے۔ کہ

پھرتے پھراتے ذرا دور نکل جاتے۔ اور ہمارے آقاؤں کو شام کے وقت ہمیں بلانا پڑتا۔ بس صرف اتنی سی تکلیف سے بچنے کے لئے وہ ہمیں قیدی بنا رکھتے ہیں۔ ہائے رے خود غرضی! انسان پر شیر اکتنا زبردست راج ہے۔ کہ جو روکھی سوکھی آدھا پیٹ گھاس کھا کر جی جان سے اُن کی خدمت کرتے ہیں۔ انہیں وہ ذرا سی تکلیف سے بچنے کے لئے قیدی بنا ڈالتے ہیں۔

ہماری قوم کے زوال کا سبب ہے۔ ہمارے مالکوں کی بے انصافی۔ اُس گروہ میں بیس پچیس گدھے تھے۔ مگر سب کی بُری حالت تھی۔ سب کے سب دُبلے پتلے تھے۔ اور ایسے نظر آتے تھے۔ جیسے "بیکانیری کنگلے" ہوں۔ ہڈیاں ہی ہڈیاں دکھائی دیتی تھیں۔ بدن پر گوشت یا خون کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ رسیوں کے باعث کسی کے پاؤں کٹ گئے تھے۔ اور کسی کے ٹیڑھے پڑ گئے تھے۔ کسی کسی میں تو بات چیت کرنے کی طاقت بھی نہ رہی تھی۔ پڑھنے والو! ہمارے مالکوں نے خود غرضی کے پھیر میں پڑ کر ہمیں بالکل بے کار بنا دیا تھا۔

یہ باتیں سوچ سوچ کر میرا خون اُبلنے لگا۔ اس سے پہلے غضب تک میں کھلا رہتا تھا۔ میرا دھیان اپنے دوسرے

بھائیوں کی طرف بالکل نہ گیا تھا۔ مگر آج یکایک میرے دل میں اپنی قوم کی محبت کا جذبہ پیدا ہوا۔ میں نے سوچا۔ اگر ممکن ہو۔ تو دھوبیوں کی اس کارروائی کو کسی طرح روکنا چاہئے۔ یہ سوچ کر میں اس گروہ میں جا شامل ہوا۔ میرا دوست گیڈر بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے مجھے سب سے ملایا۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ میں دلتیاں چلانے میں خوب ماہر اور بڑا پہلوان ہوں۔ یہ سن کر اور میرے بندھے ہوئے پاؤں کی طرف دیکھ کر اس گروہ نے گدھوں نے خوب زور سے قہقہہ لگایا۔ ہنسنے کو تو وہ ہنسے۔ مگر مالکوں کا خیال آتے ہی سہم اٹھے۔ اور بڑا سا منہ بنا کر رہ گئے۔ ایک بوڑھے گدھے نے تجویز کی۔ کہ باتیں آہستہ آہستہ ہوں۔ جس سے مالکوں کے کانوں میں ذرا بھی شور و غل نہ پہنچے۔ سب نے یہ بات مان لی۔

اس کے بعد سب میرے پیچھے پڑے۔ اور لگے مجھے بنانے۔ کوئی میری پچھلی ٹانگوں کی گانٹھ پر لٹو ہو گیا۔ اور کوئی لگا میرے نام کی تعریف کے پل باندھنے۔ ایک نے کہا۔ "بھائی لیچڑ! اتنی مدت سے گھاٹ پر آتے ہو۔ اب تک ہم سے دور دور کیوں رہے؟"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹	کانجی ہوس میں میرا آخری دن . . .	۶۲
۱۰	کانجی ہوس سے رخصت!	۶۸
۱۱	خانہ بدوشوں کا ساتھ	۷۴
۱۲	نمائش کی سیر	۷۹
۱۳	دوڑ کی تیاری	۸۵
۱۴	گدھا دوڑ	۹۱
۱۵	سرکس کمپنی میں	۹۹
۱۶	بھوت	۱۰۸
۱۷	پکڑ دھکڑا	۱۱۴
۱۸	چھٹکارا	۱۲۱
۱۹	بابوجی کی مٹی خراب! . . .	۱۲۹
۲۰	راحت کا زمانہ	۱۳۷

دوسرے نے کہا۔ "بھائی کہو تو ہم سے خفا کیوں ہو؟"
کوئی بولا۔ کیا سر میں درد ہوتا ہے۔ جو اتنے اُداس
ہو رہے ہو؟"
کسی نے کہا۔ "سر میں نہیں ٹانگوں کو شاید گرمی لگ رہی
ہے۔ تبھی تو یہ حالت ہے"۔
کہاں تک بیان کروں۔ اس قسم کے طعنے سنتے سنتے میں
اس قدر گھبرا اُٹھا۔ کہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ ندامت کے مارے
زمین میں گڑا جاتا تھا؛ ستم یہ تھا۔ کہ اس موقع پر گیڈر نے بھی
گویا میری مدد نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔
میں غصہ میں تو بھرا بیٹھا ہی تھا۔ اُن کی باتیں سُن کر ایک
دم جھلا اُٹھا۔ سوچا۔ میں تو ان کی ذلیل حالت پر ترس کھا کر ان
کے پاس آیا ہوں۔ اور یہ میرا ایسا شاندار استقبال کر رہے
ہیں! خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ گیڈر سے بولا۔ یار ذرا
میرے پاؤں تو کھول دو"۔
اس پر بھی وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگا۔ تب تو مجھ سے نہ رہا گیا۔
اور میں لگا اس کو اور اوروں کو بُری بھلی سنانے۔ میں نے
کہا "تم گدھا قوم کے ماتھے پر بدنامی کا ٹیکہ ہو۔ تم میں ذرا

بھی دم نہیں ہے۔ بُرے سے بُرا سلوک بھی چپ چاپ سہ لیتے ہو۔ میرا مذاق اُڑانے میں تم جس قدر بہادری دکھا رہے ہو۔ اگر اتنی بہادری اپنے مالکوں کو دکھاتے۔ تو آج وہ تمہارے ساتھ ایسی بُری طرح ہرگز پیش نہ آتے۔ اگر ہمت ہے۔ تو آؤ۔ ہم لوگ مل جُل کر ایک دوسرے کی ٹانگیں کھول دیں۔ اور ان بے درد مالکوں سے اپنا پیچھا چھڑائیں"۔

میری بات ابھی پوری بھی نہ ہونے پائی تھی۔ کہ سب گدھوں کے تیور بدل گئے۔ بعض غصّے کے مارے دانت پیسنے لگے۔ بعض دل کھول کر مجھے گالیاں دینے لگے۔ ایک تو یہ کہتا ہوا میری طرف دوڑا۔ ابے ہمیں سبق دینے آیا ہے! اور ایک لات میرے جڑ ہی تو دی۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے گدھے بھی مجھے مارنے کو بڑھے۔ اور اگر گیدڑ مجھے بچا نہ لیتا۔ تو میری خوب ہی گت بنتی۔

اس گروہ میں ایک اور بہت بوڑھا گدھا تھا۔ اس کے مالک نے تو اُسے "بھڑوا" کا خطاب دے رکھا تھا۔ مگر ہم لوگ اُسے "اُستاد" کہہ کر پکارتے تھے۔ تھا تو بڈھا۔ مگر بڑے بڑے جوانوں کے کان کاٹتا تھا۔ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھنا۔ کہ وہ

خضاب لگاتا تھا۔ یا اس نے بڈھے سے جوان ہو جانے کی کوئی دوا کھائی تھی۔ نہیں یہ بات نہیں تھی۔ ایسی ایسی چیزیں انسانوں ہی کو مبارک رہیں۔ ہمیں اُن کی بالکل ضرورت نہیں۔ ہمارے ہاں نہ تو کبھی کوئی بغیر عمر پائے بڈھا ہوتا ہے۔ اور نہ کبھی کسی بڈھے کو جوان بننے ہی کی خواہش رہتی ہے۔ خیر ان سب باتوں سے کیا واسطہ؟ میرے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ ہمارے اُستاد بڑھاپے میں بھی جوان تھے۔

اُستاد کے پاؤں کھلے ہوئے تھے۔ وہ ایک لحظہ میں میرے پاس آ کھڑے ہوئے۔ ان کی ایک ہی نگاہ سے ساری مجلس میں سناٹا چھا گیا۔

وہ مجھ سے کہنے لگے "بیٹا! معلوم ہوتا ہے۔ تمہارے پاؤں آج ہی پہلے پہل باندھے گئے ہیں۔ تبھی تم نے ہمارے درمیان آتے ہی اتنی گرمی دکھائی ہے"۔

میں بولا "جناب بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔ مگر آپ ہی کہئے میں نے کوئی نامناسب فقرہ کہا تھا؟ مجھے تو گدھوں کی حالت دیکھ کر بہت رحم آتا ہے"۔

اُستاد نے کہا "ضرور آتا ہوگا۔ شاباش! تمہارے دل میں

اپنی قوم کی محبت کا جو جذبہ موجود ہے۔ وہ قابلِ تعریف ہے۔ مگر تم وہ کون سا طریقہ بتلاتے ہو۔ جس سے ہماری حالت بہتر بن سکے؟"

میں نے جواب دیا۔ "وہی جو میں نے ابھی بتلایا تھا۔ سب ایک دوسرے کے پاؤں کھول دیں۔ اور بھاگ چلیں"۔

اُستاد۔ "شاباش! خوب سوچا۔ اچھا بتلاؤ۔ تو ابھی تمہاری عمر کیا ہے؟"

میں۔ "دو سو بیالیس دن"۔

اُستاد۔ "تبھی تو یہ باتیں ہیں۔ اچھا یہ بھی تو بتلاؤ۔ کہ جب ہم بھاگ چلیں گے۔ تو کیا دھوبی بیٹھے ہی رہیں گے؟"

میں۔ "بیٹھے نہیں رہیں گے۔ تو اور کیا کریں گے؟ ہم میں سے ایک ایک گدھا چار چار دھوبیوں کے لئے کافی ہے"۔

اُستاد۔ "ممکن ہے۔ ایسا ہی ہو۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہیں ابھی دھوبی کے ڈنڈوں کا زیادہ تجربہ نہیں ہے۔ خیر ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ یہ کہو۔ "تم اپنے پاؤں کھلوانا چاہتے ہو؟"

میں۔ "بے شک"۔

اُستاد۔ "اچھا تو پہلے تو یہ سمجھ لو۔ کہ ہم میں تمہارے پاؤں کھولنے کی طاقت نہیں ہے۔ کس کو اپنی جان دوبھر ہے۔ جو

تمہارے پاؤں کھول کر بیٹھے بٹھائے آفت مول لے؟ ہاں ایک طرح سے تمہارے پاؤں کھل سکتے ہیں"۔

میں۔"کس طرح سے؟"

اُستاد۔"میں جو کچھ کہوں۔ اگر اس پر عمل کیا۔ تو دھوبی خود ایک آدھ روز بعد تمہارے پاؤں باندھنا چھوڑ دے گا۔ بتلاؤں؟"

میں۔"کہئے"۔

اُستاد ذرا آگے آگئے۔ اور میرے کان سے منہ لگا مسکراتے ہوئے بولے۔"اگر تم گھاس کھانا بالکل چھوڑ دو۔ اور بیمار ہونے کا بہانہ کرو۔ تو دو ایک روز میں ضرور کھل جاؤ گے"۔

اُستاد کی بات پہلے تو میرے دل کو نہ لگی۔ وجہ یہ کہ میں کسی قسم کا بہانہ کرنا بہت بُرا سمجھتا ہوں۔ مگر یہ سوچ کر کہ بدمعاشوں کے ساتھ بُرا بھلا ہر قسم کا سلوک روا ہے۔ میں نے اُن کی نصیحت پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

گھر کے راز

مجھے گھاس چھوڑے دو دن ہو چکے۔ مارے بھوک کے میرا دم نکلنے لگا۔ مگر ابھی تک کسی نے میری طرف توجہ نہ کی۔ ان دو دنوں میں میرے آگے جتنی گھاس ڈالی گئی تھی۔ سب جوں کی توں پڑی تھی۔ مگر تعجب کا مقام ہے۔ کہ کسی نے اس بات کا خیال تک نہ کیا۔

ہماری مالکہ نہایت شریف طبیعت کی عورت تھی۔ اور گھاس ڈالنے کا کام عام طور پر وہی کیا کرتی تھی۔ مالک تو گھاٹ سے لوٹ کر "ٹھیکہ" کی ہوا کھانے چل دیتے ہیں۔ اور پھر بہت رات گئے آتے ہیں۔ اس وقت ہمارا تو بھلا ذکر ہی کیا۔ انہیں اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ کبھی اُن کے دو چار یار دوست بھی اُن کے ساتھ آتے ہیں۔ اس روز ایسی بیہودہ بات چیت اور جھگڑا فساد ہوتا ہے۔ کہ بے اختیار جی چاہتا ہے۔ کھونٹا تڑا کر

بھاگ جاؤں۔ سچ کہتا ہوں۔ اُن کی وہ بری حالت دیکھ کر مجھے کئی بار قے ہوتے ہوتے رہ گئی۔ معلوم ہوتا ہے۔ ہماری مالکہ کو بھی یہ باتیں پسند نہیں ہیں۔ کیوں کہ میں نے کئی مرتبہ سُنا۔ وہ مالک اور اُن کے دوستوں کو کوسنے دیا کرتی تھی۔

مگر اس غریب کی ایک نہیں چلتی۔ اِدھر اُس کا منہ کھلا۔ ادھر دھوبی نے اس سے طرح طرح کے رشتے جوڑنے شروع کئے۔ جب معاملہ طے نہیں ہوتا۔ تو داڑھی جلانے۔ سر پھوڑنے۔ کمر توڑنے وغیرہ باتوں کی زوردار اور زبردست تجویزیں پیش ہوتی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ دونوں میں کوئی بھی ذرا دب جائے۔ اس کے بعد بیلن۔ سلیپر۔ جوتے۔ جھاڑو اور اَور اسی قسم کے ہتھیاروں کی باری آتی ہے۔ ایسے موقعوں پر مجھ سے ہندوستانی عورتوں کی شجاعت کی تعریف کئے بغیر نہ رہا جاتا۔ اور میں کھونٹے سے بندھا بندھا ہی زمین پر سر ٹیک کر اپنے گھر کی لکشمی بہادر مالکہ کو ڈنڈوت کرتا۔

مردانگی اور شجاعت دکھانے کے بعد رونے دھونے اور آنسو بہانے کی باری آتی ہے۔ جھاڑو۔ جوتہ وغیرہ ہتھیاروں کے وار سہنے میں ہمارے مالک صاحب کیسے ہی ماہر ہوں۔

مگر اس آنسوؤں کی جھڑی کے سامنے اُن کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں۔ منتے ہیں۔ کہ یوں بھی یہ عورتوں کا بے خطا تیر ہے۔ مگر جب اس کا استعمال چوکھٹ پر سر رکھ کر۔ بال بکھیر کر۔ اور پنجم سُر کی مدد سے کیا جائے۔ تب آدمیوں کا ذکر ہی کیا۔ فرشتے بھی اُس کے آگے ٹھہرنے کی تاب نہیں لا سکتے۔ ایسے موقعے پر ہمارے مالک صاحب بڑی عقلمندی سے ہار مان لیتے۔ اور جھٹ پٹ گھر سے باہر نکل جاتے ہیں۔ اُن کے یار دوست تو اس سے بہت پہلے ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے باہر بھی ان کو کوئی ایسا شخص نہیں ملتا۔ جو ان کو ڈھارس دلائے۔ یا بہادری پر مبارک باد دے۔ تب تو بے چارے مایوسی کے سمندر میں ضرور اسی طرح غرق ہو جاتے ہوں گے۔ جس طرح تالاب میں پتھر یا کسی بھوکے گدھے کے پیٹ میں گھاس کی پتی ڈوب جاتی ہے۔

اُدھر آنسوؤں کا سیلاب سا آجاتا ہے۔ جو سارے محلے کو اپنے پانی میں غرق کر دیتا ہے۔ غریب پڑوسی اپنی جان لے کر بھاگتے ہیں۔ مگر جب کہیں جان بچتی نظر نہیں آتی۔ تو اس کے زور کو کم کرنے کے لئے اُس کے سامنے آکر اس کی تعریف کرنے لگتے ہیں۔ تعریف سُن کر سیلاب بجائے کم ہونے کے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

اسی طرح بڑھنے لگتا ہے۔ جس طرح جگن ناتھ کی تعریف سُن کر گنگا جی بڑھی تھیں۔ یہ حال دیکھ کر بے چارے محلّہ والوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ اور جب اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ تو سب مِل کر ایک سُر سے رونا شروع کر دیتے ہیں۔ تب کہیں جا کر مالکہ کی طبیعت ٹھکانے آتی ہے۔

اسی طرح فتح کا سہرا ہمیشہ ہماری مالکہ ہی کے سر بندھتا ہے۔ اور مالک کو جوں توں زمین پر ہی رات گذارنی پڑتی ہے۔ اور تمام رات وہ اپنے پیٹ میں چوہوں کی قلابازیاں دیکھتے رہتے ہیں۔

اس قسم کے معاملے قریب قریب ہر روز ہی ہوا کرتے تھے۔ اس لئے مالکہ بے چاری کام کرتے کرتے پریشان ہو جاتی تھی۔ سارے گھر کا انتظام کرنا۔ چوکا لگانا۔ برتن مانجھنا۔ روٹی پکانا۔ چکی چلانا وغیرہ وغیرہ یہی کیا کچھ کم مشکل کام ہے۔ اُس پر نت نئی لڑائی کے لئے تیاری کرنا۔ جنگ کے میدان میں آنا۔ اور آخر کار فتح پا کر نکلنا ایسی باتیں ہیں۔ جن کے باعث مالکہ کو ذرا بھی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر وہ بیچاری اپنے پیارے گدھوں کا کچھ زیادہ خیال نہیں رکھ سکتی تھی۔ تو اِس

گدھے کی آپ بیتی

ماں سے جُدائی

میں قوم کا گدھا ہوں + ہماری قوم میں ذات پات نہیں ہوتی - اس لئے میں اس سے زیادہ اَور کچھ نہیں بتلا سکتا + مگر یوں میں کسی سے کم نہیں ہوں + اگر ہمارے ہاں ذات پات کی تمیز ہوتی - تو میں بھی پورے بیس بسوے کا ہوتا - خیر اعلیٰ نسل کے لحاظ سے نہ سہی - عمر کے خیال ہی سے سہی - برادری

میں تعجب ہی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے۔ کہ جب دو دن فاقہ کر کے بھی میں انسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکا۔ تو مجھے کچھ زیادہ رنج اور افسوس نہ ہوا۔ مگر بھوک کے مارے میں بے چین ہو رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ گویا روح تن سے نکلی جا رہی ہے۔ بیچارے پاؤں خالی پیٹ اور پیٹھ کے بوجھ کو بھی سنبھال نہ سکتے تھے۔ دم ہلانے اور کان پھڑپھڑانے کو بھی جی نہ چاہتا تھا کسرت کی مشق تو بالکل چھوٹی ہی جا رہی تھی۔

خیر کسی طرح خدا خدا کر کے۔ تارے اور مچھر گن کر یا مالکہ کے خراٹے گن کر۔ رات تو گذری۔ جگ بیتا۔ بیچ میں بار بار خیال آجاتا تھا۔ کہیں یہی تو اجل کی رات نہیں۔ جس کا بیان عالم آدمی بڑے زوردار الفاظ میں کیا کرتے ہیں۔ مگر صبح صادق کا نور دیکھ کر جان میں جان آئی۔ اُدھر مالکہ نے بھی مالک پر ترس کھا کر باہر کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے بھی عہد کر لیا۔ کہ آج چاہے جو ہو۔ ہرگز ٹس سے مس نہ ہوں گا۔

تھوڑی دیر میں دھوبی آنکھوں سے چیپڑ پونچھتا ہوا ہمارے پاس آکھڑا ہوا۔ اور ہماری رسیاں کھول دیں۔ گیدڑ تو روز کی طرح اُٹھ کھڑا ہوا۔ مگر میں اسی طرح پڑا رہا۔ اس پر دھوبی نے

ایک لات لگائی - اور بولا - ابے اُٹھ - ابھی تک تیرا سونے سے پیٹ نہیں بھرا؟ مگر میں ٹس سے مس نہیں ہوا + اس نے ایک دو لاتیں اور رسید کیں - مگر میرے پکے ارادے کے آگے اس کی ایک پیش نہ گئی ✤

اب تو وہ ذرا چوکنا ہوا - اور ہاتھ میں تھوڑی سی گھاس لے کر میرے منہ میں دینے لگا + جی میں تو آیا - کہ ساری گھاس کا ایک ہی نوالہ بنا جاؤں - مگر میں کچھ بیوقوف تو تھا ہی نہیں - کہ بنا بنایا کھیل مٹی میں ملا دیتا - جس حالت میں تھا - چپ چاپ اسی طرح پڑا رہا + تب جا کر کہیں اس بیوقوف کی سمجھ میں آیا - کہ میں بیمار ہوں ✤

اب تو بچہ جی بڑے پریشان ہوئے + کبھی میرا پیٹ ٹٹولتے کبھی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے - کبھی منہ کھول کر دیکھتے - کبھی ٹانگیں سہلاتے - یہ حال دیکھ کر مجھے ایسے زور کی ہنسی آئی - کہ رونے کے باعث میرا دم گھٹنے لگا + اُدھر گیدڑ کا بھی برا حال تھا - مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہوا جاتا تھا + آخر کار اسی بےچارے کو اکیلے گھاٹ پر جانا پڑا - اور میرا بوجھ بھی اسی کے سر پڑا + میں خوب مزے میں آرام سے وہیں پڑا رہا ✤

دھوبی کے چلے جانے کے بعد تھوڑی دیر میں دھوبن آئی۔ اور اس کے ہاتھ میں باسی روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس نے اسے میرے سامنے ڈال دیا۔ میں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ مگر مالکہ کے بہت اصرار کرنے اور زور لگانے پر میں نے اسے آہستہ آہستہ کھانا شروع کیا۔ اس روز ایک دفعہ گرم گرم دال بھی پینے کو ملی۔ اس کا ذائقہ مجھے بے حد پسند آیا۔ مالکہ کی آنکھ بچا کر تھوڑی سی گھاس بھی کھائی۔ دن بھر خوب مزا رہا۔

مویشیوں کے ڈاکٹر سے مقابلہ

مجھے بیماری کا بہانہ کئے کئی دن گذر گئے۔ سچ ہے تکلیف اُٹھانے کے بعد ہی آرام ملتا ہے۔ مجھے خواب میں بھی خیال نہ تھا۔ کہ میری اڑھائی دن کی ریاضت کا اس قدر آرام دہ نتیجہ نکلے گا۔ اچھی اچھی چیزیں کھانے کو ملتیں۔ اور کام کچھ بھی نہ کرنا پڑتا۔ تمام دن آرام سے گذرتا۔ ان دنوں اگرچہ میں چوبیسوں گھنٹے تھان پر رہتا تھا۔ مگر باندھا تک نہ جاتا تھا۔ مکان کے ہی ایک چھپر تلے میرا تھان تھا۔ اس لئے کچھ زیادہ طبیعت بھی نہ اُکتاتی تھی۔ ہاں رات دن تھان پر ہی بندھے رہنا ایسی بات ہے۔ جسے دنیا میں کوئی بھی پسند نہیں کر سکتا۔

میری بیماری کو دو دن ہوئے تھے۔ کہ شام کو مالک مجھے دکھانے کی غرض سے اپنے ساتھ ایک اور بڈھے دھوبی کو لے آیا۔ پہلے تو میں ڈرا۔ کہ کہیں یہ میری چال نہ سمجھ جائے۔ مگر

بعد میں جب یہ خیال آیا۔ کہ اُستاد نے کچی چال ہرگز نہ بتائی ہوگی۔ تو اطمینان ہوگیا۔ تب بھی اس کے آنے سے پہلے میں خوب سنبھل کر لیٹ گیا۔ چاروں پاؤں پھیلائے۔ اور سانس روک لی۔ میں سمجھتا تھا۔ کہ بڈھا شاید نبض وغیرہ دیکھے گا۔ مگر اس نے کچھ بھی نہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ میری حالت دیکھ کر اس کے ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے۔ میرے پاس تک آنے کی ہمت نہ پڑی۔ نہیں تو بھلا کیا دور ہی سے ایک نظر دیکھ کر واپس چلا جاتا؟

باہر جا کر اس نے میرے مالک سے کیا کچھ کہا۔ سب تو میں نے نہیں سُنا۔ ہاں۔ اتنا پتہ لگ گیا۔ کہ دونوں کے درمیان کسی مویشیوں کے ڈاکٹر کا ذکر ہو رہا ہے۔ ادھر چھپر تلے پڑا پڑا میں سوچ رہا تھا۔ کہ اگر بڈھا میرے کھانے کے لئے کوئی نہایت ہی لذیذ چیز بتا جائے۔ تو کیا اچھا ہو۔ مگر آج کل تو کل جگ بیت رہا ہے۔ دوسروں پر ایسے احسان کرنے والے لوگ بھلا کہاں ہیں؟

میں رات کو پڑا پڑا سوچتا رہا۔ کہ یہ مویشیوں کا ڈاکٹر کیا بلا ہوتی ہے۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن گیدڑ کی زبانی مجھے کل حال معلوم ہوگیا۔ ادھر کئی روز سے تھان پر رہتے رہتے جی اُکتا گیا

تھا۔ اس لئے میں نے سوچ لیا۔ کہ اگر کہیں چلنے کا معاملہ ہوا۔ تو ضرور جاؤں گا۔ اتنی سی بات سے دھوبی مجھے تندرست تھوڑا ہی سمجھ لے گا؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ ایسا تو کوئی قاعدہ ہے نہیں۔ کہ جو چل پھر سکے۔ وہ بیمار ہی نہ سمجھا جائے + ہاں اتنا ضرور ہوتا ہے۔ کہ بیمار آہستہ آہستہ اور شاید رُک رُک کر چلتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا۔ کہ کہیں ڈاکٹر میری بیماری کو بھانپ نہ لے۔ مگر اس بڈھے دھوبی کا خیال آتے ہی دل میں فوراً اطمینان ہو جاتا +

خیر۔ دن نکلا۔ روز کی طرح دھوبی میرے پاس آیا + میں بھی چپ چاپ پڑا رہا + مگر جب دھوبی نے میرے بدن پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ تو میں آہستہ آہستہ اُٹھ بیٹھا۔ اس سے دھوبی اتنا خوش ہوا۔ کہ پھولا نہ سمایا۔ گویا اندھے کو دو آنکھیں مل گئیں + مگر میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کہ اس کی وہ خوشی میرے لئے نہ تھی۔ اُن تین سفید پہیوں کے لئے تھی۔ جنہیں دے کر اس نے مجھے خریدا تھا۔ اگر اُن کا پیار اُس کے دل سے کسی طرح ہٹایا جا سکتا۔ یا گدھے مفت بکا کرتے۔ تب وہ ہر روز گدھا مار کرتا + خیر اس وقت وہ بہت خوش ہوا۔ اور مجھے کھڑا کرنے کی کوشش

کرنے لگا۔ اگر میں اس کے اشارے پر اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا۔ تو شاید اس کے بعد وہ مجھ پر لادی لاد کر گھاٹ پر لے جانے کی کوشش کرتا۔ مگر میں اتنا بے وقوف تو تھا نہیں۔ جوں جوں وہ اپنے دونوں ہاتھ میرے پیٹ کے نیچے دے کر مجھے اوپر کو اُٹھاتا میں اور زمین سے لگ جاتا۔ اس طرح جب میاں جی بہت پریشان ہو چکے۔ تب میں آہستہ آہستہ بدن کو ہلاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس پر اس کا مرجھایا ہوا چہرہ پھر کھِل اُٹھا۔

اس کے بعد ایک رسّی میرے گلے میں ڈال وہ مجھے کھینچنے لگا۔ میں نے سوچا۔ شاید مویشیوں کے ڈاکٹر کے ہاں لے جا رہا ہے۔ ایک دفعہ خیال آیا۔ کہ شاید بیچنے لے جا رہا ہو۔ دل میں کہا۔ کہ یہ بھی اچھا ہی ہے۔ یہاں مجھے کون سا بڑا آرام ہے۔ جو اور جگہ نصیب نہ ہوگا؟ خیر میں گرتا پڑتا آہستہ آہستہ اس کے ساتھ ہو لیا۔ جی تو دوڑنے کو چاہتا۔ مگر بہ مشکل میں نے اپنے آپ کو روکے رکھا۔

خیر اکسی طرح ہسپتال پہنچا۔ ہسپتال کیا تھا۔ گویا مویشیوں کا عجائب گھر تھا۔ لنگڑے گھوڑوں۔ اڑیل ٹٹوؤں اور بے وقوف بیلوں کا اچھا خاصہ مجموعہ تھا۔ دو ایک کتے بھی دُم دبائے

اِدھر اُدھر بیٹھے تھے۔ پاس ہی دو لکڑیوں کے بیچ میں دبا ہوا ایک دُبلا پتلا بڈھا پاؤں نیچے لٹکائے بیٹھا تھا۔ لوگ اسے ہی ڈاکٹر صاحب کہتے تھے۔ میں نے سوچا۔ کہ اگر یہی وہ حضرت ہیں۔ جن کی تلاش میں میرا مالک مجھے یہاں تک لایا ہے۔ تو پھر کوئی بات نہیں ہے۔ میدان مار لیا ہے۔

میرا مالک مجھے وہیں پاس کے ایک درخت سے باندھ کر خود ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔ اور اُن سے دور کھڑا ہو کر لگا بار بار جھکنے۔ اسی اثناء میں ایک گستاخ کُتا جس کے گلے کے اندر ابھی کڑوی دوا اُتاری گئی تھی۔ دوڑا دوڑا میرے پاس آیا۔ اور لگا بھوں بھوں کرنے۔

میں نے آہستہ سے سمجھا دیا۔ کہ یہ بھوں بھوں مجھے نہیں بھاتی۔ مگر وہ شریر پھر بھی نہ مانا۔ صرف یہی نہیں۔ جس پیڑ سے میں بندھا ہُوا تھا۔ اس کے تنے پر پیشاب بھی کر دیا۔ جس سے میری رسّی کا بھی ایک حصّہ بھیگ بھاگ گیا۔ اب تو اُس کی گستاخی نہ سہی گئی۔ میں نے جھٹ پاس پہنچ کر اُسے اپنے دونوں پچھلے پیروں کی کرامات دکھلا دی۔ بچہ جی کے ایسی پڑی کہ چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہوگا۔ کچھ کرتے دھرتے نہ بنا چیختے چلّاتے

بھاگ گئے ٭

جو ہاں کہیں کتے کا مالک بھی موجود تھا۔ وہ اپنے کتے کا یہ حال دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کی عجب صورت بنی تھی۔ جس طرح اس کتے کے گلے میں پٹا تھا۔ اسی طرح اس کے بھی پڑا تھا۔ فرق صرف یہ تھا۔ کہ اس کا پٹا اتنا اچھا نہ تھا۔ جتنا کتے کا تھا۔ پٹے کے ساتھ ہی کوئی سانپ جیسی چیز آگے کی طرف لٹک رہی تھی۔ انسان کی بھی عجب طبیعت ہے جب اس کے کتے نے مجھ سے گستاخی کی۔ تب تو آپ نے کچھ نہیں کہا۔ مگر جوں ہی میں نے اسے گستاخی کا مزا چکھایا۔ آپ لگے لال پیلے ہونے۔ اتنا اچھا ہوا۔ کہ انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ میرے مالک کو ہی آڑے ہاتھوں لیا۔ جتنی گالیاں اس نے مجھے آج تک سنائی تھیں۔ ان سے کہیں زیادہ کتے والے نے آج اسے سنا دیں۔ میں نے بھی سوچا۔ کہ خیر بےچارا اسی جنم میں قرض سے سبک دوش ہو گیا۔ ورنہ اگلے جنم میں اسے گدھا بننا پڑتا۔ اور مجھے اس کا مالک بن کر اپنی زبان بھی اس کتے کا خیال آنے پر خراب کرنی پڑتی ٭

غصہ آنے لگا۔ سچ مچ آدمیوں کی باتیں بیچارے گدھوں

کی سمجھ میں آجائیں۔ تو وہ "گدھے" ہی کیوں رہیں؟ بھلا کتے میں ایسی کیا خاص صفت ہوتی ہے۔ جو اس پر آپ اتنے لٹو رہتے ہیں۔ بس صرف یہی نہ کہ وہ بڑا وفادار ہوتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کون سا ایسا جانور ہے۔ جو اچھے سلوک سے وفادار نہیں بنایا جاسکتا؟ اگر آپ گدھوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ تو وہ بھی کتوں ہی جتنے وفادار بن سکتے ہیں۔ پھر آپ کو ان گوشت کھانے والے جانوروں کے رکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اگر پیارے پڑھنے والوں کو میری بات پر یقین نہ آتا ہو۔ تو وہ کسی مویشیوں کے میلے میں دو تین روپے خرچ کر کے ہماری قوم کا ایک خوب صورت نمائندہ خرید لیں۔ بہت آسانی سے اس کا امتحان ہو جائے گا۔

اس پیڑ سے بندھا بندھا دیر تک یہی باتیں سوچتا رہا۔ جب ڈاکٹر صاحب سب گھوڑے۔ خچر۔ بیل اور کتے دیکھ چکے۔ تب کہیں جا کر میری باری آئی۔ مجھے تو معلوم ہوتا تھا۔ اس درخت سے بندھے بندھے برس گذر گئے ہیں۔ کئی کتے اور گھوڑے جو میرے بعد آئے تھے۔ وہ بھی مجھ سے پہلے فراغت پا چکے تھے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ ایسا کیوں ہوا۔

میں میرا آدر کم نہیں ہے +

ہماری قوم کی عظمت کل عالم پر روشن ہے + دنیا میں ایسا کون سا ملک ہے۔ جس میں ہمارے بھائی بند موجود نہ ہوں؟ کیا یورپ۔ کیا امریکہ۔ کیا ایشیا سب کہیں ہمارا دبدبہ ہے + ہاں مغربی ملکوں میں ہمارا جو آدر ہے۔ وہ یہاں ہندوستان میں نہیں ہے + وہاں ہم نہایت اعلیٰ درجے کے کام کرتے ہیں۔ بڑے بڑے لاٹ اور جاگیرداروں سے ہمارا ساتھ رہتا ہے۔ ہمیں اُن کے لڑکوں اور لڑکیوں کو سواری کا پہلا سبق دیتے ہیں + جس دن کوئی خاص بازار لگتا ہے۔ اس روز ہمیں اچھی سے اچھی چیزیں اٹھا کر لاتے ہیں + مگر اس ملک میں ہماری بہت بے قدری ہے۔ یہاں کے بڑے آدمیوں سیٹھ ساہوکاروں اور زمینداروں کے تو ہمیں درشن تک نصیب نہیں ہوتے۔ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ دھوبی۔ کمہار۔ مہتر۔ اور کنجڑے۔ جنہوں نے ہمیں اپنا بنا کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے + سچ ہے۔ دنیا میں گُنوں کی کمی نہیں ہے۔ مگر گُن کے پرکھنے والوں کی کمی ضرور ہے +

انسان عام طور پر یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ گدھے بالکل بے وقوف ہوتے ہیں + قربان جائیے۔ اس سمجھ کے! وہ یہ

خیر! میرا دھوبی مجھے پکڑ کر ڈاکٹر صاحب کے پاس لے آیا۔ ڈاکٹر نے ایک نظر میری طرف دیکھا۔ اور ایک آدمی سے مجھے کچھ پلانے کے لئے کہا۔ سنتے ہی میرے ہوش اُڑ گئے۔ میں نے سوچا۔ کہ یہ کیا مصیبت سر پر آن پڑی۔

میں اسی ادھیڑ بُن میں پڑا تھا۔ کہ اتنے میں کسی نے بڑے زور سے میرا سر پکڑ لیا۔ کسی دوسرے نے میرا منہ کھول کر اس میں ایک بانس ٹھونس دیا۔ میں نے سر ہلا کر اور شور مچا کر اس قسم کی مہماں نوازی کی سخت مخالفت کی۔ مگر وہاں کون سنتا تھا؟ یکایک مجھے کوئی کڑوی چیز منہ میں جاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اب تو میں نے پورا زور لگایا۔ اور ان سب کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگا۔ اتفاق سے کہیں پاس ہی چند شیشیاں ایک چھوٹی سی گول میز پر رکھی تھیں۔ میں ایسا بے تحاشا بھاگا۔ کہ غلطی سے اس میز سے ٹکرا گیا۔

میز اُلٹ گئی۔ اور ساری شیشیاں لڑھک گئیں۔ بعد میں اس بات کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ مگر کیا کرتا۔ کچھ جان بوجھ کر تو میں نے انہیں گرایا ہی نہ تھا۔ آخر کار میں نے اسی پرانے درخت کے نیچے آکر دم لیا۔

اُدھر کہرام مچ گیا۔ چاروں طرف سے دھوبی پر گالیوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ دھوکہ نہیں ہُوا۔ تو میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ کسی نے میرے مالک کے دو چار گھونسے بھی رسید کئے۔ بعد میں مجھے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ غریب کو جرمانہ بھی ادا کرنا پڑا۔

اس کے بعد دھوبی میرے پاس آیا۔ تو مارے غصہ کے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر میں بہت ڈرا۔ کہ کہیں اپنے پہلے گدھے کی طرح مجھے بھی جان سے نہ مار ڈالے۔ ساتھ ہی یہ بھی سوچا۔ کہ اگر اس نے میرا یہ قصور معاف کر دیا۔ تو مرتے دم تک اس کی جی جان سے خدمت کروں گا۔ مگر توبہ صاحب اس نے آتے ہی رسّی کے سرے اور ٹھوکروں سے اتنا پیٹا۔ کہ میں گر پڑا اور میرا بُرا حال ہو گیا۔ وہ شاید مجھے مار کر ہی مارنا بند کرتا۔ اگر ہسپتال والے اسے پھر نہ پھٹکارتے۔ خیر اجی ہسپتال والوں نے اسے خوب ڈانٹا دھمکایا۔ تو وہ مارنا بند کر کے مجھے گھر لے چلا۔ میں نے بھی دل میں ٹھان لی۔ کہ اب اس کے ہاں نہ رہوں گا۔ ورنہ کسی روز جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

رخصت!

پھر مجھے تھان پر بندھے بندھے دو دن ہو گئے + قسمت دیکھئے۔ تھوڑی سی گھاس کے سوائے کسی نے مجھے کچھ نہ دیا + مالک مجھے بیچ ڈالنے کی فکر میں تھا۔ مگر کوئی خریدار ہی نہ ملا۔ ادھر میں بھی بھاگنے کی موقعہ کی تاک میں تھا۔ آخر کار ایک روز موقعہ مل ہی گیا +

دھوبی روز کی طرح گھاٹ پر گیا ہوا تھا۔ اس روز مالکہ بھی گھر کے کام دھندے سے فراغت پا کر کہیں چلی گئی + شاید بازار گئی تھی۔ ادھر میں نے رسّی کو کاٹنا شروع کیا + تھوڑی ہی دیر میں دانتوں سے اس کی لڑیاں الگ کر دیں۔ اور ایک ہی جھٹکے میں میں آزاد ہو گیا۔ بڑی امنگوں کے ساتھ صحن میں آیا۔ مگر دیکھا تو باہر کا دروازہ بند تھا۔ میں نے سوچا۔ کہ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ مگر ہزار کوشش کرنے پر بھی وہ نہ کھلا۔ معلوم ہوا۔

کہ باہر سے قفل لگا ہوا ہے۔ پہلے تو جی میں آیا۔ کہ دیوار ہی کو پھاند چلوں۔ مگر بعد میں یہ سوچ کر رُک گیا۔ کہ بھلے لوگ اس راستے نہیں آیا جایا کرتے۔ پھر دیوار کی بلندی بھی میرے رُکے رہنے کا خاص سبب تھی۔

لاچار ہو کر میں گھر کے اندر ہی ٹہلنے لگا۔ خوش قسمتی سے باورچی خانے میں گرما گرم کھانا رکھا تھا۔ روٹیاں کسی قدر ٹھنڈی ہو چکی تھیں۔ اس لئے میں نے پہلے ان ہی پر ہاتھ صاف کیا۔ دال کا برتن ابھی چولھے ہی پر رکھا تھا۔ اس لئے اس کو کھانا ممکن نہ تھا۔ پاس ہی ایک کڑاہی میں کسی قسم کی ترکاری رکھی تھی۔ اس کے ایک دو لقمے تو بہت ہی مزے دار معلوم ہوئے۔ مگر تیسرا لقمہ منہ میں ڈالتے ہی زبان کے ٹکڑے اڑ گئے۔ معلوم نہیں اس میں کون سی نہایت ہی تیز چیز پڑی ہوئی تھی۔ میں تو گھبرا اُٹھا۔ معلوم نہیں۔ آدمیوں کو اس قدر کڑوی چیز کیسے اچھی لگتی ہے۔ اس کے بعد تو میں نے اسے سونگھا بھی نہیں۔

خیر! روٹیاں تو میں نے سب صاف کر دیں۔ مگر پیٹ نہ بھرا۔ دال کھانے کو جی چاہنے لگا۔ مگر اُس میں سے دھواں نکلتے دیکھ کر ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر کار میں نے ایک ترکیب سوچ ہی نکالی۔

پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ کہ میں چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی اپنے پچھلے
پیروں سے نشانہ لگا سکتا ہوں۔ پھر دیگچی پر نشانہ لگانا کون سی
مشکل بات تھی؛ دولتی کے ایک ہی وار میں چولھے پر سے
لڑھک پڑی۔ اور دال کا بہت سا حصہ زمین پر آ رہا۔ میں نے
جھٹ اسے صاف کر دیا۔ مگر اس روز میری کچھ عجب حالت
تھی۔ کھایا جا رہا تھا۔ اور بھوک بڑھتی جاتی تھی۔ دنیا میں اس
پیٹ کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے + میں نے بھی اس دیگچی کو
دولتی کے وار سے سارے چوکے میں گیند کی طرح لڑھکایا +
دو بچی کھچی دال بھی میرے پیٹ میں سما گئی + سچ کہتا ہوں۔
میں نے دیگچی کو چاٹ چوٹ کر ایسا صاف کر دیا۔ کہ معلوم ہوتا
تھا۔ روغن پھیر دیا ہے ٭

خیر! چوکے سے نکلا۔ پاس ہی ایک ٹوکری میں کچھ ہری
ہری ترکاری رکھی تھی۔ اُسے بھی کھایا۔ ایک جگہ کچھ گیہوں سوکھ
رہے تھے۔ وہ بھی چبانے پڑے + اتنے میں خیال آیا۔ ذرا اندر
والی کوٹھڑی تو دیکھ لوں۔ شاید وہاں کوئی اس سے بھی زیادہ
مزے دار مال مل جائے۔ میرا خیال ٹھیک نکلا۔ مٹی کی ایک
ہنڈیا کا ڈھکنا اوپر اُٹھانے پر معلوم ہوا۔ کہ اس میں گھی ہے + ابھی

اس میں اچھی طرح سے منہ بھی نہ ڈالنے پایا تھا۔ کہ اتنے میں باہر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی + میں منہ نکال کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ کہ دیکھئے آتے ہی اب کیا ہوتا ہے + معلوم ہوتا ہے۔ کہ چلتے چلتے میری مالکہ کو زور کی بھوک لگی تھی۔ آتے ہی چوکے (باورچی خانے) کی طرف گئی۔ مگر وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر گالیاں دیتی ہوئی اُس چھپر کی طرف چلی۔ جس کے تلے میرا تھان تھا + اب مجھے اپنی خیریت بھاگنے ہی میں نظر آئی۔ اُدھر مالکہ میرے تھان پر پہنچی۔ ادھر میں کوٹھڑی میں سے چُپ چاپ کھسکا + پھر کیا تھا جھٹ باہر نکل آیا + مالکہ کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ چلو یہ بھی میرے اور اس کے دونوں ہی کے لئے اچھا ہی ہُوا +

باہر نکل کر پڑاپڑ پڑاپڑ کرتا ہوا میں تیزی سے ایک طرف کو چل دیا + جو دو چار محلّے والے مجھے پہچانتے تھے۔ میری حالت دیکھ کر بھوچکے سے رہ گئے + دل میں ضرور کہتے ہونگے کہ کہاں وہ بیماری اور کہاں یہ چال! ان میں ایک نے تو یہاں تک کہا۔ اس پر بھوت سوار ہے۔ وجہ خواہ کچھ ہی ہو۔ مگر مجھ سے بولنے کی ہمت کسی کو نہ پڑی +

بستی سے باہر نکل کر بھی میں نے دوڑنا جاری رکھا۔ شام تک

دم نہ لیا۔ آخر کار تھک تھکا کر ہرے بھرے کھیتوں کے پاس
ذرا ستانے کے لئے ٹھہر گیا۔

کھانے کا سامان وہاں کافی سے زیادہ تھا۔ مگر پیٹ اس
قدر بھرا ہوا تھا۔ کہ کوئی چیز کھانے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔
آخر کار میں وہیں کھلے میدان میں پڑ رہا۔ اور مالک کے گھر کا
خواب دیکھتا ہوا خراٹے لینے لگا۔

رنگ میں بھنگ

دوسرے دن ابھی تڑکا بھی نہ ہُوا تھا۔ کہ آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ پاس ہی ایک ہم قوم صاحب کھڑے ہیں۔ اور اپنی سنکھ کی سی آواز سے شمال۔ جنوب۔ مشرق اور مغرب کو ہلا رہے ہیں۔ اسے دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اور خوشی کے مارے میرے مُنہ سے بھی ایک ایسی ہی آواز نکل پڑی۔ میری خوشی کا صحیح اندازہ صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں۔ جنہیں کبھی پردیس میں اپنے کسی ہم قوم سے ملنے کا اتفاق ہُوا ہو۔ خیر خیریت کرنے کے بعد ہم دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا حال سنایا۔ معلوم ہُوا۔ کہ وہ گاؤں کے کسی دھوبی کے ہاں نوکر ہے۔ دھوبی تھا غریب۔ اس لئے ہر روز رات کو اُسے گاؤں والوں کی نظر سے بچا کر کھیتوں میں چرنے کے لئے چھوڑ جاتا تھا۔ وہ بھی خوشی خوشی رات گزار کر دن نکلنے سے پہلے ہی گھر کی راہ لیتا تھا۔ اس نے یہ بھی بتلایا۔

کہ میں نے عہد کر رکھا ہے۔ کھانے کے وقت کسی سے نہ بولوں گا۔ لیکن آج اچانک تمہیں یہاں پڑا دیکھ کر میرا یہ عہد ٹوٹ گیا۔

ہم دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس کے کہنے سے میں نے بھی اِدھر اُدھر سبزی پر دو چار منہ مارے۔ باتیں کرتے کرتے ایک دفعہ جو اوپر کو نظر گئی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ سورج نکل آیا ہے۔ یہ دیکھتے ہی میرے نئے دوست کے ہوش اُڑ گئے۔ فوراً وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور جاتے وقت مجھے بھی وہاں سے ہٹ جانے کا اشارہ کرتا گیا۔ میں بھی ایک طرف کو چل دیا۔

ابھی چار قدم بھی نہ گیا ہوں گا۔ کہ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں۔ ایک آدمی ڈنڈا ہاتھ میں لئے مارو! مارو! کرتا ہوا مینڈ پر چلا آرہا ہے۔ میں فوراً دوسری طرف چلا۔ مگر اُدھر سے بھی ایک آدمی لاٹھی لئے دوڑا چلا آرہا تھا۔ میں جھٹ کھیت کے اندر گھس گیا۔ اور چال ذرا تیز کر دی۔ پودوں میں میرا بدن تو تھوڑا بہت چھپ جاتا تھا۔ مگر سر اور کان چھپائے نہ چھپتے تھے۔ مجھے کھیت میں گھستے دیکھ لاٹھی والا آدمی بھی اس میں گھس کر میرا پیچھا کرنے لگا۔ خوب چکر لگے۔ آگے آگے میں اور پیچھے پیچھے وہ۔ کھیت کا تو سمجھو ستیاناس ہی ہو گیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا۔ گویا وہاں فصل

کبھی اُگی ہی نہ تھی۔ پودے کہیں سے لاکر بچھا دیئے ہیں۔ یہ سب کچھ ہوا مگر خدا سلامت رکھے۔ میری ان ٹانگوں کو میرا بال بھی بیکا نہیں ہُوا!

اتنے میں ایک اَور آدمی بھی وہاں آپہنچا۔ اور دونوں مل کر میرا پیچھا کرنے لگے۔ دوسرے آدمی کے ہاتھ میں ایک موٹا سا لٹھ تھا۔ مَیں ہاتھ نہ آیا۔ تو اُسے غصہ آگیا۔ لٹھ پھرا کر میرا نشانہ بنایا۔ پینترا بدل کر میں تو اس کا وار بچا گیا۔ مگر دوسرا آدمی اس کی لپیٹ میں آگیا۔ ڈنڈا ٹھیک ابرو پر جا کر پڑا۔ اور ایسا پڑا۔ کہ غریب سر تھام کر بیٹھ گیا۔ اب تو اس دوسرے آدمی کے بھی ہوش اُڑ گئے۔ ساری بہادری بھول کر بچہ جی اس کی مرہم پٹی کرنے لگے۔ ادھر میں موقعہ دیکھ کر جھٹ وہاں سے کھسک گیا۔

ابھی میں نے دو چار کھیت بھی پار نہیں کئے ہوں گے۔ کہ ایک اَور آدمی ملا۔ آدمی کیا تھا۔ موت کا فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔ خیریت اتنی تھی۔ کہ اس کے ہاتھ میں لاٹھی نہ تھی۔ ورنہ اس کی شکل و صورت سے تو ظاہر تھا۔ کہ میرا بھُرتہ کئے بغیر نہ چھوڑتا۔ اَور کچھ بس نہ چلا۔ تو اس نے مجھ پر گالیوں ہی کے وار کرنے شروع کر دیئے۔ اس کی گالیاں سنتے سنتے مجھے بخار سا چڑھ آیا۔

بات اکثر ہمیں سُنا سُنا کر کہا بھی کرتے ہیں + میں آدمیوں کے اس خیال کی مخالفت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہم سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ اسی لئے لوگوں نے ہمیں ساری دنیا میں بدنام کر رکھا ہے۔ سچ ہے۔ سیدھے کا مُنہ کُتا چاٹتا ہے + انسانوں کے اِس وہم کو دور کرنے کے لئے آج مجھے اپنی کہانی بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اسے پڑھ کر سب کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ گدھے کتنے سمجھ دار اور ہوشیار ہوتے ہیں +

اپنے بچپن کی باتیں مجھے زیادہ یاد نہیں رہیں۔ مگر اتنا ضرور یاد ہے۔ کہ میری ماں مجھے بہت چاہتی تھی۔ گھر میں اور گھاٹ پر میں کبھی اُس کا ساتھ نہیں چھوڑتا تھا۔ جس دھوبی کے ہاں میری ماں رہتی تھی۔ وہ بڑا بے رحم اور پتھر دل تھا۔ ایک روز مجھے اور میری ماں کو گاؤں سے کئی کوس پر ایک میلے میں لے گیا + میں چلتے چلتے اس قدر تھک گیا۔ کہ پاؤں اکڑ گئے۔ اس کے باوجود میں نے یہی سوچا۔ کہ جب اتنی دور چل کر آئے ہیں۔ تو ذرا میلہ دیکھتے ہی چلیں۔ مگر دھوبی نے روکے رکھا + تھوڑی دیر بعد کوئی تین چار آدمی مجھے گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ اور لگے اپنے ہاتھ میرے بدن پر پھیرنے + ایک نے تو

مگر میں گالیوں کا جواب دینا شرافت سے بعید سمجھتا ہوں۔ ورنہ بچہ بچہ کو انیسی چن چن کر سناتا۔ کہ یاد کیا کرتے۔ مگر وہاں میری زبان سمجھنے کے لئے عقل بھی چاہیئے۔ اور اتنی عقل سب آدمیوں میں ہوتی نہیں۔ اگر کوئی چاہے۔ تو ہماری زبان بہت آسانی سے سیکھ سکتا ہے + افسوس کا مقام ہے۔ کہ یوں تو آدمی بڑی بڑی مشکلیں جھیل لیتے ہیں۔ اور سات سمندر پار کی زبانیں سیکھنے میں آدھی عمر گنوا دیتے ہیں۔ مگر ہماری گدھوں کی زبان سیکھنے کا کوئی نام ہی نہیں لیتا + سچ ہے۔ جو قومیں زوال کے گرداب میں پھنسی ہوتی ہیں۔ ان کی زبانوں کی ایسی ہی حالت ہوتی ہے ٭

اُدھر وہ مجھ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔ ادھر میں مزے مزے چلا جاتا تھا + بس وہی مثل تھی۔ کہ کتے بھونکا کرتے ہیں۔ اور ہاتھی چلے جاتے ہیں + مگر جب اس نے دیکھا۔ کہ اس کی گالیاں سُن کر بھی نہیں گھبرایا۔ تب تو اس نے وتیرہ بدل دیا۔ اور لگا مجھ پر ڈھیلے پھینکنے۔ اوّل تو اُسے اُن ہرے بھرے کھیتوں میں ڈھیلے بہت تلاش کے بعد ملتے تھے۔ اور جو ملتے تھے۔ وہ اس کے ہاتھ سے مجھ تک پہنچتے پہنچتے بہادر ارجن کے تیروں کی طرح ایک کے انیک (بے شمار) بن جاتے تھے + اسی سے تم بخوبی سمجھ سکتے

ہو۔ کہ اُن کا مجھ ایسے کسرتی جوان پر کیا اثر ہُوا ہوگا۔ ادھر وہ مجھ پر ڈھیلے برساتے پسینے میں شرابور ہو گیا۔ ادھر میں خوشی خوشی یوں جا رہا تھا۔ گویا ایراوت ہاتھی پھولوں کی بارش سے مسرور ہو کر چلا جا رہا ہے۔ خوب مزا رہا۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں اور بھی کئی آدمی اس طرح وہاں آ پہنچے۔ جیسے شہتوتوں کے لالچ میں بندر بھاگے آتے ہیں۔ آ کر مجھے گھیر لیا۔ اب تو میری تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ پلک جھپکتے میں دیکھتا کیا ہوں۔ کہ ایک رسّی میں بندھا ہُوا ہوں۔

اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا۔ تو ضرور گھبرا جاتا۔ ذرا سوچئے تو سہی۔ کہ دس بیس آدمیوں کا ایک اچھا خاصہ گروہ اس کے بیچ میں ایک چھوٹا سا گدھا! گھبرانے کی بات ہی تھی۔ مگر میں نے حوصلہ ہاتھ سے نہ دیا۔ میری خوش قسمتی سے کچھ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ کسی کے پاس لاٹھی ڈنڈا نہیں تھا۔ اس لئے مجھ پر لات اور گھونسوں ہی کی بوچھاڑ پڑتی تھی۔ مگر ہزار شکر ہے۔ لاکھ شکر ہے اس پروردگار کا۔ کہ اس نے میرے بدن کو فولاد سا بنایا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی اطمینان تھا۔ کہ آدمی۔ خاص کر ہندوستان کے آدمی — گدھے کا گوشت نہیں کھاتے۔

مارتے پیٹتے وہ مجھے بہت دور لے گئے۔ یوں تو شاید راستے میں بڑا لطف آتا۔ مگر قیدی تھا۔ اس وجہ سے چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ آخر کار وہ مجھے ایک چھوٹے سے احاطے میں لے آئے۔ اس احاطے کو لوگ کانجی ہوس کہتے تھے۔ اس کے ایک طرف گرا پڑا ٹوٹا پھوٹا چھوٹا سا چھپر بھی تھا۔ احاطے میں اور بھی کئی قسم کے بہت سے جانور پھر رہے تھے۔ یہاں میری رسّی بھی کھول لی گئی۔ اور میں اس کے اندر چھوڑ دیا گیا۔

کانجی ہوس میں

میں کانجی ہوس پہنچا۔ تو ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔ اگرچہ برسات کے دن تھے۔ مگر اس روز کڑاکے کی دھوپ پڑ رہی تھی۔ سورج کی کرنیں نیزوں کی طرح ہمارے بدن کو چھیدنے لگیں۔ میں نے بھی سوچا۔ چلوں ذرا چھپر کے نیچے آرام کروں۔ مگر وہاں عجب ہی حالت تھی۔ چھپر بس اتنا تھا۔ کہ اس کے اندر دو ہی جانور کھڑے ہو سکتے تھے۔ شرط یہ تھی۔ کہ انہیں موٹاپے کی بیماری نہ ہو۔ مگر شکر ہے خدا کا۔ یہ عارضہ انسانوں کی طرح جانوروں کو زیادہ نہیں ہوتا۔ اور جنہیں ہوتا بھی ہے۔ اُن کا یہاں کانجی ہوس میں باقاعدہ طور پر اچھا علاج ہو جاتا ہے۔ موٹے سے موٹا مویشی بھی تین چار ہی دن میں اس چھپر کے اندر مزے سے دُبلا ہو سکتا ہے۔ سچ مچ موٹاپے کا نقص جڑ سے رفع کرنے کے لئے کانجی ہوس سے بڑھ کر دُنیا بھر میں کوئی شفاخانہ نہیں۔

ہاں بھول گیا۔ میں چھپر کا ذکر کر رہا تھا۔ اچھا بنا تھا۔ مگر ذرا پرانا تھا۔ شاید نوابوں کے زمانہ میں بنا تھا۔ پچھلے زمانہ کی کاریگری کا اچھا نمونہ تھا۔ اس کا پھوس اس طرح سکڑا ہوا تھا۔ جیسے اس کے نیچے کھڑے ہونے والے مویشی سکڑے سہمے کھڑے رہتے تھے۔ یوں تو پھوس ہرا ہوتا ہے۔ اور سوکھ کر بھورا ہو جاتا ہے۔ مگر بار بار گرمی اور برسات کے وار سہتے سہتے اس چھپر کا رنگ خوب کالا پڑ گیا تھا۔ اس میں جو بانس لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی سفید سفید چیز ہر وقت جھڑتی رہتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا۔ کہ نیچے کھڑے ہونے والے جانوروں کے جسم پر پل بھر میں جگہ جگہ صندل کے ٹیکے لگ جاتے تھے۔ لیکن جب یہ سفید سفید چیز کسی کی آنکھ میں پڑ جاتی۔ تب ضرور تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے شاید چھپر ایسے ڈھنگ سے بنایا گیا تھا۔ کہ مویشیوں کے سر اس کے اندر نہ سما سکیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی۔ کہ اس چھپر میں ایک نہیں سینکڑوں دریچے اور روشن دان تھے۔ جن کی بدولت ہر وقت آسمان کا نظارہ ہوتا رہتا تھا۔ اور صاف سے صاف اور تازہ ہوا ہر دم مویشیوں کے لئے آتی جاتی رہتی تھی۔ خواہ کچھ ہی کہو۔ وہ چھپر دیکھنے کے

لائق چیز تھی۔ ہمیں ڈر ہے۔ کہ آثار قدیمہ کے عالموں کی نظر اگر کہیں اس پر پڑ گئی۔ تو وہ اس پر قبضہ کئے بغیر ہرگز نہ مانیں گے ۔

چھپر کی خوب صورتی پر میں اس قدر فریفتہ ہو گیا۔ کہ مجھے اپنے تن بدن کی بھی سدھ نہ رہی ۔ گھنٹوں دھوپ میں کھڑا دل ہی دل میں اس کی تعریف کرتا رہا ۔ اس اثناء میں احاطے کے کئی مویشی چھپر کے بالشت بھر سائے کے لئے اپنے جسم کے پچھلے حصوں سے لڑ جھگڑ رہے تھے۔ شاید دل ہی دل میں میری برداشت کی تعریف بھی کر رہے ہوں۔ تھوڑی دیر میں مَیں نے دیکھا۔ کہ ایک چھوٹا سا بیل فتح یاب ہو کر اُس چھپر کے نیچے بیٹھ رہا۔ اور باقی مویشی اُس کے آس پاس کھڑے رہ گئے۔ بیل کی اس خود غرضی کو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اُتر آیا ۔ ساتھ ہی اس بے نظیر چھپر کے نیچے بیٹھ کر اپنا جنم سپھل کرنے کو بھی جی چاہا۔ اس لئے میں نے اَور زیادہ وقت ضائع نہیں کیا۔ اور اُسی لمحہ اس چھپر کے اندر گھسنے لگا ۔

بیل نے سینگ ہلا کر مجھے پہلے ہی خبردار کر دیا۔ کہ اگر اندر آئے تو اچھا نہ ہوگا۔ اس سے میں بھی سنبھل گیا۔ اور اُلٹے پاؤں چل کر پہلے اپنی پچھلی ٹانگوں کو چھپر کے اندر داخل کیا۔ اس طرز

کی عجیب و غریب چڑھائی سے مویشی بہت ہی حیران ہوئے۔ اور سب مجھے شاباش! شاباش! کہنے لگے۔ مگر بیل اسی طرح اڑا رہا۔ آخر کار جب میری پچھلی ٹانگیں بالکل اس کے سر کے پاس جا پہنچیں تو اس سے نہ رہا گیا۔ جھٹ اٹھ کر مجھ پر وار کر ہی دیا۔ میں تو ایسے موقعے کی تاک ہی میں تھا۔ بھلا کب چوکنے والا تھا؟ جونہی اس نے مجھے مارنے کے لئے اپنا سر جھکایا۔ میں نے اپنے دونوں پچھلے پیروں کو جوڑ کر اس کے ماتھے پر ایسی تڑ سے دولتی جمائی۔ کہ بچہ جی کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ پھر تو آپ نے فوراً چھپر خالی کر دیا۔ اور بڑی دوڑ جا کر دم لیا۔

بس میں اس مویشیوں کے جھنڈ کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اس روز سے میں جب تک وہاں رہا۔ تمام جانور مجھے ادب اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ میرے کہے بغیر کبھی کوئی چھپر کے نیچے نہ بیٹھتا۔ بیل نے بھی اس روز سے کبھی چوں چرا نہ کی۔ بلکہ کبھی کبھی اپنے یار دوستوں سے میری ٹانگوں کی تعریف کرتا۔ رفتہ رفتہ میری اس کی بڑی گہری دوستی ہو گئی۔

مجھے کانجی ہوس میں آئے چار دن ہو گئے۔ مگر ابھی تک کسی نے مجھے گھاس کی ایک مٹھی کے لئے بھی نہ پوچھا۔ کبھی

یک لخت چار فاقے تو کئے نہ تھے۔ بڑا بُرا معلوم ہوا۔ مارے بھوک کے پیٹ پیٹھ سے لگ گیا۔ دوسرے جانوروں کی حالت اَور بھی بُری تھی۔ غریبوں کی ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ رام! رام! آدمیوں کی اس سنگ دلی کی کوئی حد بھی ہے۔ ایک تو بے گناہ جانوروں کو قید کرنا۔ اور پھر انہیں بھوکوں مارنا۔ اگر تم میں کھلانے پلانے کی توفیق نہیں۔ تو پھر ہمیں بند ہی کیوں کیا کرتے ہو؟

آخر پانچویں دن شام کے وقت بھوسے سے ہم سب کا روزہ کھلوایا گیا۔ بھوسہ کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کسی پُرانے چھپر کا چُورا ہے۔ یہ بتانا تو آسان نہیں۔ کہ ایک ایک کو کتنا کتنا ملا تھا۔ مگر یہ بخوبی ظاہر تھا۔ کہ اس کا وزن تولہ ماشہ اور رتیوں کے حساب سے کیا گیا ہے۔ اَوروں کی تو خبر نہیں۔ اپنی جانتا ہوں۔ کہ بھوسے کا ایک ٹکڑا ابھی میرے پیٹ تک نہ پہنچا۔ ہاں حلق تک ضرور پہنچ گیا تھا۔ بعد میں جب تقریباً دو مشک پانی حلق کے نیچے اُتارا۔ تب تو ضرور پیٹ میں گیا ہوگا۔ سچ کہتا ہوں۔ کہ کھانے سے پہلے مجھے جتنی بھوک لگ رہی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ اس کے بعد لگی۔ سچ مچ اس کھانے نے

ہاضمہ کے چورن کا کام کیا۔ اگر میں جھٹ پٹ پانی پی کر اپنے پیٹ کی پرارتھناؤں کو دبا نہ دیتا۔ تو بہت ممکن تھا۔ وہ میری پچھلی ٹانگوں کے کان میں پڑ جاتیں۔ جس سے کانجی ہوس کے منشی جی کا۔ اور میرا بھی بہت کچھ نقصان ہو سکتا تھا۔

منشی جی کے درشن مجھے پہلے پہل آج ہی ہوئے تھے۔ شکل صورت سے آپ اس قدر سیدھے سادے معلوم ہوتے تھے۔ گویا شرافت اور سادگی کے سوائے آپ میں کچھ تھا ہی نہیں۔ تھے تو ادھیڑ عمر کے۔ مگر خوب موٹے تازے تھے۔ بات یہ تھی۔ کہ ان کی آمدنی اچھی تھی۔ پھر بھلا موٹے تازے کیوں نہ ہوتے؟ آج کل تو آمدنی ہی کے حساب سے لوگ مضبوط اور کم زور ہوتے ہیں۔ تنخواہ تو بیچاروں کی صرف سات ہی روپے تھی۔ مگر "اوپر سے آمدنی" اچھی تھی۔ تم اوپر سے آمدنی کا مطلب سمجھے؟ اس آمدنی کو کہتے ہیں۔ جو اوپر سے یعنی خدا کی عنایت سے ہاتھ آتی ہے۔ جو بندھی ہوئی تنخواہ ملتی ہے۔ اس میں خدا کا کیا اجارہ؟ وہ تو اپنے پسینے کی کمائی ہے۔ ہاں اس کے علاوہ خدا جو کچھ بھیج دے۔ اس میں اس کا احسان ضرور ہے۔ برہمنوں اور ملاؤں کو کھانا کھلانے۔ مسجد مندروں کی

تعمیر اور طرح طرح کے چندوں کے لئے روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ اُسی خدا کے بھیجے ہوئے روپوں سے + خدا بھی کیسا ہوشیار ہے۔ کہ اپنے عابدوں اور بھگتوں کے پاس روپیہ بھیج کر انہیں اپنا بنائے رکھتا ہے۔ ورنہ مجھے خوف ہے۔ کہ آج اس کا نام لینے والا بھی دنیا میں شاذ ہی کوئی نظر آتا۔

کہتے ہیں۔ منشی جی کو اُوپر کی آمدنی کا بہت سا حصہ ہمارے جیسے قیدی جانوروں کی بدولت حاصل ہوتا تھا + ہم کو تو بس ویسا ہی کھلاتے پلاتے تھے۔ جس کی تفصیل میں اوپر بتا چکا ہوں۔ مگر بعد میں ہمارے مالکوں سے ہماری پوری خوراک کے دام وصول کرتے تھے + اُن کے موٹے اور ہمارے دُبلے ہونے کی یہی خاص وجہ تھی۔ ہمارا سارا موٹاپا تو وہ ہی لے لیتے تھے۔ پھر ہم کہاں سے موٹے ہوتے؟ اس لئے ہمارے ساتھیوں میں سے بعض مویشی منشی جی سے بہت ناراض رہتے۔ اور جب بھوک لگتی۔ تو مجھے بھی اُن پر غصہ آئے بغیر نہ رہتا۔ مگر اصل میں اُن کا کیا قصور؟ اگر منشی جی کا یہ کام قصور تھا۔ تب تو دنیا ——— قریب قریب ساری دنیا ——— قصوروار ہے۔ کیونکہ دنیا میں ایسے کتنے آدمی ہیں جنہیں موقعہ ملے۔ بھید کھل جانے

میرے جبڑے ہی اُکھاڑنے پر کمر کس لی۔ یہ باتیں مجھے بہت ناگوار گزریں۔ مگر کرتا کیا؟ چھوٹا سا تھا۔ اس لئے دل مسوس کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد اُن میں سے ایک آدمی نے بار بار اپنی کمر ٹٹولنے کے بعد تین چھوٹے چھوٹے سفید پہیئے نکالے۔ اور انہیں ہمارے مالک کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ مالک نے انہیں بڑے غور سے دیکھا۔ اور انگلیوں پر نچا کر انہیں دھوتی کے ایک کونے سے باندھ لیا۔ اس وقت میں ان سفید پہیوں کی طاقت اور عظمت سے واقف نہ تھا۔ لیکن اب ان باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ انہیں پہیوں کے بل پر انسان ناچتا ہے۔ یہی پہیئے تو آدمیوں کے برہما۔ وشنو اور مہیش ہیں۔ انہیں پانے کے لئے وہ بڑی بڑی کوششیں کرتے ہیں۔ نوکری کرتے ہیں۔ در در مارے مارے پھرتے ہیں۔ چوٹی کا پسینہ ایڑی تک بہاتے ہیں۔ میلوں اور بازاروں میں جاتے ہیں۔ اور اپنے گدھوں تک کو بھی بیچ ڈالتے ہیں۔ جو اُن کے مددگار چوبیس گھنٹے کے ساتھی اور پیارے دوست ہوتے ہیں۔

ابھی میرا دھیان مالک کی طرف سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ اتنے میں کسی نے ایک موٹے رسّے سے میرا گلا جکڑ دیا۔ میرا

کا ڈر نہ ہو۔ اور وہ پرائے مال پر موٹا ہونا پسند نہ کریں۔ سب کی تو مجھے خبر نہیں۔ لیکن اپنی تمام زندگی میں مَیں نے ایک آدمی بھی ایسا نہیں دیکھا۔

کانجی ہوس میں میرا آخری دن

اسی طرح اس کانجی ہوس میں اپنے دن کاٹتے ہوئے کئی مہینے ہوگئے۔ اس دوران میں بھوک کے بھوت نے مجھے جس قدر ستایا۔ خدا نہ کرے۔ کبھی کسی کو ستائے! اگر میری بجائے کوئی آدمی ہوتا۔ تو معلوم نہیں۔ اب تک کیا کرتا۔ چوری کرتا۔ ڈاکہ ڈالتا۔ دین و ایمان چھوڑ دیتا۔ بھیک مانگتا۔ یا اپنی اور منشی جی کی جان ایک کر دیتا۔ مگر میں نے تمام تکالیف بڑے صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیں۔ ہاں کبھی وقت بے وقت منشی جی کی بھولی بھالی صورت سامنے آجاتی۔ تو یہ دل میں ضرور آتا تھا۔ کہ اگر کسی طرح ایک منٹ کے لئے بھی میری پچھلی ٹانگیں بندوق یا پستول بن جائیں۔ تو میں اُن کے سر کے ٹکڑے کر کے ہوا میں بکھیر دوں + مگر میں اس خواہش کو زیادہ دیر دل میں نہ رہنے دیتا۔ بات یہ ہے۔ کہ میری طبیعت نہایت امن پسند ہے۔

مجھے لڑائی جھگڑا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن مثل مشہور ہے۔ کہ بھوکا آدمی کون سا پاپ نہیں کرتا؟ اس کے مطابق دل ہی دل میں اتنا پاپ مجھ سے بھی ہو ہی جاتا تھا۔

غرض کانجی ہوس میں رہتے مجھے کئی مہینے گزر گئے۔ اس عرصہ میں میرے موٹے تازے بدن کی جو حالت ہوئی۔ اس کو بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔ بھوننے کے بعد بینگن کی جو حالت ہو جاتی ہے۔ کانجی ہوس کی بھٹی میں وہی حالت میری ہو گئی۔ بدن کا سارا رس سوکھ گیا۔ کھال سکڑ کر رہ گئی۔ جگہ جگہ کی نرم نرم ہری ہری گھاس کھا کر۔ مالکہ کے ہاتھ کی مزے دار دال پی کر اور باقاعدہ ورزش کر کے میں نے جو تھوڑا بہت گوشت پوست بدن پر چڑھایا تھا۔ وہ سب آپ سے آپ غائب ہو گیا۔ حکیم کہتے ہیں۔ جسم میں سات قسم کے رس ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں تو آنکھوں میں چیپڑ بھی نہ رہا۔

ان دنوں یہی سوچا کرتا تھا۔ کہ اگر میرا مالک مجھے آکر لے جائے۔ تو بہت اچھا ہو۔ مانا کہ وہ بہت بے رحم تھا۔ مگر پھر بھی ان منشی جی سے لاکھ درجے اچھا تھا۔ وہ اپنی بے رحمی کو بھولی صورت اور مکر و فریب کی باتوں میں تو نہیں چھپاتا تھا۔ جو کچھ کرتا

تھا۔ دن دہاڑے ڈنکے کی چوٹ کرتا تھا۔ ان کی طرح بگلا بھگت بن کر۔ تمام دنیا کو دھوکہ دے کر۔ وہ بے چارے بے زبان جانوروں کے منہ سے لقمہ تو نہیں چھینتا تھا۔ محنت مزدوری سے وہ جو چار پیسے پیدا کرتا تھا۔ اس سے شام تک ہمارا بھی پیٹ بھر ہی دیتا تھا۔ اور مالکہ ہی بے چاری کیا بُری تھی۔ بس یہی نہ کہ کبھی کبھی دل بہلانے کے لئے گھر میں مہابھارت کا تماشہ کرتی تھی۔ مگر اس سے کیا۔ اس سے تو میری طبیعت ہی بہلتی تھی اور ہاں وہ گیدڑ! بچارا کیسا سیدھا سادا شریف جانور تھا۔ آہا! اس کا خوش و خرم چہرہ مجھے بار بار یاد آتا تھا۔ اور اس سے ملنے کو طبیعت بے قرار ہو ہو جاتی تھی۔

ہاں تو مجھے کانجی ہوس میں رہتے رہتے کئی مہینے گذر گئے۔ بہتیرے جانور آئے۔ اور چلے گئے۔ مگر میں کہیں نہ گیا۔ وہیں رہا۔ میں حوصلہ ہار بیٹھا۔ پورا یقین ہو گیا۔ میری قبر یہیں بنے گی۔ ایک روز تیسرے پہر کانجی ہوس میں اچانک بڑی چہل پہل ہو گئی۔ ایک آدمی ایک لمبی سی جھاڑو لے کر ہمارے احاطے میں آ ڈٹا۔ اور لگا جھاڑو دینے۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔ جس روز سے میں وہاں آیا تھا۔ معلوم نہیں۔ اس سے کتنی مدت پہلے سے

احاطے کی خوب صورت زمین کو کسی جھاڑو نے خراب نہیں کیا تھا۔ چاروں طرف گوبر کے پہاڑ سے کھڑے تھے۔ ایسے مقام پر کسی کو جھاڑو لئے دیکھ کر میری ہنسی نہ رُک سکی۔ اگر کوئی پھاوڑا لے کر آتا۔ تب تو ایک بات بھی تھی۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ٹوکریاں بھر بھر کر بھوسہ اور گھاس آنی شروع ہو گئی۔ میں نے سوچا۔ آخر بات کیا ہے؟ کہاں تو آدھے ٹوکرے ہی میں مویشی نبٹ جاتے تھے۔ اور پھر بھی گھاس بچ رہتی تھی۔ اور کہاں آج اتنے ٹوکرے! پہلے تو میں ذرا گھبرایا۔ کہ کہیں منشی جی نے بھوسے کے ڈھیر میں ہمیں بھون ڈالنے کی تیاری تو نہیں کی۔ لیکن بعد میں جب ہر ایک جانور کے آگے ایک ایک ٹوکرا رکھ دیا گیا۔ تب میری جان میں جان آئی۔ منشی جی اور اُن کے ساتھیوں کی بات چیت سے یہ بھی پتہ چلا۔ کہ دوسرے دن کوئی افسر کانجی ہوس کا معائنہ کرنے اور بعض جانوروں کو نیلام کرنے آئیں گے۔ بس اس تمام چہل پہل کا یہی سبب تھا۔

خیر! آج مجھے بھی خوب پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا۔ کئی مہینے کا بھوکا تھا۔ آنکھ جھپکنے میں سارا ٹوکرا ہڑپ کر گیا۔ اور منشی جی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے لگا الاپنے۔ میری الاپ کو

منشی جی نے بے حد پسند کیا۔ اُن کے ساتھی بھی میری آواز سُن کر بہت خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر میں ایک ٹوکری اَور مل گئی۔ اس کو بھی میں نے صفا چٹ کر ڈالا۔ پھر میں اپنے دوستوں کے پاس جا جا کر اُن کے کھانے میں شریک ہُوا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے دوستوں میں آپس میں مل کر کھانے پینے سے محبت بڑھتی ہے۔ سچ کہتا ہوں۔ کہ اُس روز اتنا کھایا۔ کہ پانی پینا بھی بھول گیا۔

رفتہ رفتہ رات ہوگئی۔ آج سب کے پیٹ بھرے ہوئے تھے۔ اس لئے رات کو خوب چہل پہل رہی۔ اَور دن تو بھوک کے مارے ہم سب شام ہی سے تارے گننا شروع کر دیتے تھے۔ میں بھی روز رات کو تارے دیکھ کر یہ سوچا کرتا تھا۔ کہ اگر یہ آسمانی بتاشے میرے اوپر برس پڑتے۔ تو کیا مزا آتا۔ مگر آج یہ بات نہ تھی۔ پیٹ بھاری ہونے سے سب پر تھوڑی بہت سستی سی چھا رہی تھی۔ مگر خوشی منانے کو سب کا جی چاہتا تھا۔ جب اَور کوئی بات نہ سوجھی۔ تو یہ طے پایا۔ کہ گانا ہونا چاہیئے۔ ہم سب ایک حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ باری باری سے ایک گیت گایا۔ جب میری باری آئی۔ تو میں نے بھی بہت سنبھل کر ایک سُریلی تان چھیڑی۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ ساری مجلس نے

ایک زبان ہو کر میرے گانے کی تعریف کی۔

گانے کے بعد یہ طے پایا۔ کہ ہر ایک جانور اپنا اپنا کوئی ہنر یا کرتب دکھائے۔ سب نے اپنے اپنے کمال دکھانے شروع کئے۔ بیل نے سینگ ہلا کر۔ بکری نے ناچ کر اور گھوڑے نے سرپٹ چال دکھا کر سب کا من موہ لیا۔ اب میری باری آئی۔ اگرچہ پچھلے دو ماہ سے میری مشق چھوٹی ہوئی تھی۔ مگر مجھے اپنی پچھلی ٹانگوں پر پورا بھروسہ تھا۔ اس لئے میں ذرا بھی نہ ہچکچایا۔ اور جھٹ چھپر — اس تاریخی چھپر — کے پاس جا کھڑا ہوا۔ میں پہلے بتا چکا ہوں چھپر دو موٹے موٹے بانسوں پر ٹکا ہوا تھا۔

انہیں میں سے ایک بانس کی شست باندھ کر میں اپنی — نہیں اپنے پچھلے پیروں کی — کرامات دکھانے لگا۔ مگر بڑا مغالطہ ہوا۔ میرے دو ہلکے ہی واروں سے اس خراب و خستہ بانس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اور ارا ارا دھوں کر کے سارے کا سارا چھپر دھم سے زمین پر آ رہا۔

کانجی ہوس سے رخصت

اس ارار ادھوں کا شور رات کے سناٹے کو چیر کر آسمان میں گونج اٹھا۔ معلوم نہیں محلہ والوں پر اس کا اثر کیسا ہوا۔ مگر منشی جی پر جو اثر ہوا۔ وہ میں بتا سکتا ہوں۔ اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد منشی جی کی شیریں آواز سنائی دی۔ پنچم سُر پر چڑھی ہوئی تھی جس سے ان کی بہادری کا ثبوت ملتا تھا۔ بے چارے کسی کو جگا رہے تھے۔ میں نے دل میں کہا۔ کہ خدا خیر کرے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک لالٹین لئے ہمارے احاطے میں تشریف لے آئے۔ لالٹین کیا تھی۔ کسی مل (کارخانے) کی چمنی تھی۔ ٹھیک ٹھیک یہ بتانا تو مشکل ہے۔ کہ وہ کتنی جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ اتنا ضرور جانتا ہوں۔ کہ اس کے شیشے میں اگر زیادہ نہیں۔ تو کاغذ کے دو چار سو پیوند ضرور لگے تھے۔ اور معلوم نہیں۔ کتنی سوتلی لپٹی ہوئی تھی۔ دھواں اتنا نکل رہا تھا۔ کہ اس کے آگے ریل کے انجن بھی مات تھے۔

اُن سے تم اندازہ لگا سکتے ہو۔ کہ اُس میں روشنی بخشنے کی طاقت کس قدر ہو گی ؛

احاطے میں آتے ہی منشی جی پر ایک چھوٹی سی مصیبت آپڑی ــــ بلکہ یوں کہئے۔ کہ وہ خود ایک چھوٹی سی مصیبت پر آپڑے بات یہ تھی۔ کہ دروازے کے پاس ہی گوبر کا ایک ڈھیر پڑا تھا یا تو منشی جی اپنی انوکھی لالٹین کی مہربانی سے اُسے دیکھ نہ سکے۔ یا جلدی کے باعث اُنھوں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اُن کا جوتے سے آراستہ پاؤں اس کے اندر جا رہا۔ پہلے ہی مزاج کا پارہ چڑھا ہُوا تھا۔ اس بات سے اَور بھی بگڑ اُٹھے۔ مگر توبہ توبہ کی صدا لگانے اور حیوانی نسل کی عورتوں سے بیاہ کرنے کی دھمکی دینے کے سوائے اور کر ہی کیا سکتے تھے ؛

خیر! جوتہ گوبر سے نکال کسی طرح آگے بڑھے + دو ہی قدم چلے ہوں گے۔ کہ سامنے ایک نالی آگئی + پاؤں ایسا بے ڈھب پڑا۔ کہ آپ پھسل گئے۔ اور دھڑام سے زمین پر آرہے + آخ تھو! آخ تھو! کرتے ہوئے کسی طرح اُٹھے تو۔ مگر پاجامہ خراب ہو گیا تھا۔ پاؤں میں موچ کی تو کچھ زیادہ فکر نہ تھی۔ مگر پاجامے پر گندی چھینٹیں پڑ جانا قہر ہو گیا ؛

آخر کار منشی جی آہستہ آہستہ اُس گرے ہوئے چھپر کے پاس پہنچ ہی گئے + چراغ کی روشنی میں اس چھپر کی حالت دیکھ کر آپ کو بہت رنج ہوا۔ سچ مچ چھپر کے دکھ کے سامنے آپ اپنا دُکھ بھول گئے۔ بڑی دیر تک اس کالے کالے پھوس کے ڈھیر کو محبت بھری نگاہوں سے تکتے رہے۔ مگر لے چارے کے دماغ میں یہ بات نہ آسکی۔ کہ آخر چھپر گرا کیسے + کبھی پھوس اُلٹتے اور کبھی بالنسوں کے ٹکڑوں کو دیکھتے۔ مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی۔ آخر کار معلوم نہیں۔ کیا دیکھنے کے لئے آپ نے لالٹین اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور غور سے پھونس کی جانچ کرنے لگے۔ شاید یہ دیکھ رہے ہوں گے۔ کہ بھوسے کا کام بھی دے سکے گا۔ یا نہیں + یہ خیال آتے ہی میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اپنے آپ کو ہر چند سنبھالا۔ مگر ایک چیخ نکل ہی گئی۔ کبھی کبھی یکایک کوئی زور کی آواز آنے سے سننے والا چونک پڑتا ہے۔ وہی اثر میری اس اچانک گرج کا منشی جی پر ہوا + یک لخت چونک اُٹھے۔ اور بدقسمتی سے اُن کے ہاتھ سے چراغ چھوٹ کر اس صدیوں کے پرانے چھپر کے بھوسے پر جا پڑا۔ پھر کیا تھا۔ کاتک ہی میں ہولی کا مزا آگیا! شعلے اُٹھنے لگے۔ چاروں طرف خوب روشنی پھیل گئی + اُجالے

دم گھٹنے لگا۔ کیونکہ اس سے پہلے میں کبھی باندھا نہ گیا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ تو ایک کالا کلوٹا آدمی نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں رسی کا دوسرا سرا تھا۔ یہی میرا نیا آقا تھا۔ وہ مجھے بے طرح گھسیٹنے اور مارنے لگا۔ چونکہ مجھے اپنی ماں سے بہت لگاؤ تھا۔ اس لئے میں وہاں سے ہلنا بھی نہ چاہتا تھا۔ بہت چیخا چلایا۔ مگر اس کم بخت نے ایک نہ سُنی۔ اور مجھے گھسیٹتا ہی چلا گیا انسان کس قدر بے رحم ہوتا ہے۔ اس کی بھی کوئی حد ہے! اگر میں ذرا اور بڑا ہوتا۔ تو بچہ جی کو مزا چکھا دیتا۔ مگر لاچار ہو کر مجھے اس کے ساتھ جانا ہی پڑا۔

ہیں دیکھا۔ تو منشی جی عجب صورت بنائے کھڑے ہیں۔ اُن کا ساتھی پیچھے کھڑا چپکے چپکے ہنس رہا ہے۔ ادھر جانور بہت خوش تھے۔ دو چار تو الاؤ تاپنے کے خیال سے ذرا آگ کے پاس چلے گئے۔ مگر یہ بات منشی جی کو اچھی نہ لگی۔ مارے غصے کے کباب تو ہو ہی رہے تھے۔ مویشیوں کو تاپنے کے لئے جو آتے دیکھا۔ تو آگ لگ گئی۔ بہت سے جانوروں کو اتنی مار پڑی۔ کہ خدا کی پناہ۔ مگر میں نے بڑی عقل مندی سے کام لیا۔ اپنی ہی جگہ کھڑا رہا۔ جانتا تھا۔ کہ آدمیوں کے وار سردی کے وار سے کہیں زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں سارا کھیل ختم ہو گیا۔ وہ تاریخی چھپر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ اور منشی جی کا غصہ کچھ کم ہوا۔ بے چارے رونی صورت بنائے چل کھڑے ہوئے۔ جوں ہی انہوں نے دروازہ کھولا۔ میں نے سوچا۔ کہ ایک معمولی نعرہ لگا دینا نامناسب نہ ہوگا۔ بڑی اُمنگوں کے ساتھ ایک راگ چھیڑ ہی دیا۔ ایمان سے کہتا ہوں۔ میری یہ خواہش ہرگز نہ تھی۔ کہ منشی جی کو چڑھاؤں مگر وہ خفا ہو گئے۔ بک بک کرتے اُلٹے پاؤں لوٹ آئے۔ ساتھی سے چراغ دکھلانے کے لئے کہا۔ اور تیزی کے ساتھ

لیکن ذرا سنبھل سنبھل کر میری طرف بڑھے۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ اور لگا احاطے کی سیر کرنے۔ آنکھ جھپکتے ہی ایک طرف سے دوسری طرف ہو گیا۔ منشی جی کے لئے احاطہ پار کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ انہیں پہاڑوں اور دریاؤں کا بھی خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ اُن کے پاؤں میں موچ بھی آ چکی تھی۔

مگر منشی جی کا غصہ بھلا کب رُکنے والا تھا؟ آپ بڑے زور شور سے لگے میرا پیچھا کرنے۔ میں بھی اس خوف سے کہ کہیں اُن کا جی نہ چھوٹ جائے۔ اس وقت تک ہرگز سستانے کا نام نہ لیتا۔ جب تک وہ میرے پاس نہ پہنچ جاتے۔ دیکھتا کہ بہت ہی قریب آ گئے ہیں۔ اور ڈنڈا پیٹھ پر پڑنے ہی کو ہے۔ تب میں پھر بھاگ کھڑا ہوتا۔ معلوم ہوتا۔ ہم دونوں آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔

اسی اثنا میں مجھے خیال آیا۔ کہ باہر کا دروازہ کھلا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ میں اُدھر ہی چل کھڑا ہوا۔ میرے باہر آتے ہی منشی جی بڑے زور سے چیخنے چلانے لگے۔ مگر اُس آدھی رات کے وقت وہاں کون بیٹھا تھا۔ جو مجھے پکڑتا؟ اُن کے ساتھی نے چراغ زمین پر رکھ کر کچھ دور تک میرا پیچھا کیا۔ مگر اجی میں ہار

ٹان کر لوٹ گیا۔ ادھر میں فتح کا ڈنکا بجاتا ہُوا ایک طرف
چل کھڑا ہُوا۔

خانہ بدوشوں کا ساتھ

کئی مہینے جیل خانے میں رہنے کے بعد آج آزادی بہت اچھی معلوم ہوئی۔ سبھی چیزیں سہانی نظر آرہی تھیں۔ اگرچہ کانجی ہوس میں رہتے رہتے میں بہت کمزور اور دُبلا ہو گیا تھا۔ مگر چلنے میں عجیب و غریب لطف آرہا تھا۔ دل میں بار بار دعا مانگتا جاتا تھا۔ کہ خدایا۔ اَور جو سزا دل چاہے۔ دے لینا۔ مگر کانجی ہوس نہ بھیجنا۔ میں نے یہ بھی سوچ لیا۔ کہ اب کبھی ایسا کام نہ کروں گا۔ جس سے جیل خانہ کی نوبت آئے۔ اسی طرح سوچتا سوچتا معلوم نہیں۔ میں کتنی دور نکل گیا۔ راستے میں اللہ جانے کتنے کھیت اور پُل نکل گئے۔ اتنے میں صبح ہوئی۔ میں بھی سڑک کی پٹڑی پر ایک طرف ذرا ستانے کے لئے بیٹھ گیا۔ تھکا ہُوا تو تھا ہی۔ آنکھ لگ گئی۔

جب آنکھ کھلی۔ تو دیکھتا کیا ہوں۔ کہ میرے آس پاس چار دل

طرف قسم قسم کے مویشی درختوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ سوتے وقت تو میں یہاں اکیلا تھا۔ یہ جانور کہاں سے آئے؟ یہ سوچ کر میں دنگ سا رہ گیا۔ پہلے تو میں بہت گھبرایا۔ کہ کہیں سوتے سوتے دوبارہ کانجی ہوس تو نہیں پہنچ گیا۔ یا میری محبت کے مارے کہیں کانجی ہوس تو میرے پاس نہیں چلا آیا ہے۔ مگر ذرا دیر میں یہ شک رفع ہو گیا۔ دیکھا تو بہت سے مرد اور عورتیں نظر آئیں۔ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ کہیں روٹی پک رہی تھی۔ کہیں چکی چل رہی تھی۔ اب بات سمجھ میں آگئی۔ میرے سوتے سوتے خانہ بدوشوں کے ایک گروہ نے یہاں پڑاؤ کر لیا تھا۔

خیر صاحب میں اُٹھ بیٹھا۔ کانجی ہوس کا سب سامان اب تک ہضم ہو چکا تھا۔ بھوک لگی ہوئی تھی۔ اور کچھ کمزوری سی معلوم ہو رہی تھی۔ میرے اُٹھنے کی دیر تھی۔ کہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے آکر مجھے گھیر لیا۔ کوئی میرے کان پکڑنے لگا۔ کوئی دُم۔ ایک تو گردن پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے میری پیٹھ پر چڑھ بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر بے چارہ گر پڑا۔ ایک لڑکا میرے لئے روٹی کا ٹکڑا لے آیا۔ دوسرا گھاس لے آیا۔ کھا کر طبیعت

بہت خوش ہوئی۔ چنانچہ میں لڑکوں کے شوق میں مخل نہ ہوا۔ وہ بھی مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ دو میری پیٹھ پر چڑھ بیٹھے اور بار بار مجھے چلنے کا اشارہ کرنے لگے۔

مجھے کیا عذر تھا۔ چل پڑا۔ اور انہیں سارے پڑاؤ کے چکر دینے لگا۔ لڑکوں کی ماں نے جو اپنے لاڈلے بیٹے کو یوں سواری کرتے دیکھا۔ مارے خوشی کے پھولی نہ سمائی۔ اور مجھے ایک روٹی انعام میں دی۔ میں نے شکریہ ادا کر کے خوشی خوشی اسے قبول کر لیا۔ شام کو بھی اس عورت نے مجھے خوب گھاس کھلائی۔ اور ایک نئی رسی بٹ کر مجھے ایک درخت سے باندھ دیا۔

اگلے روز سویرے ہی پڑاؤ اکھڑا۔ اور میں بھی دونوں لڑکوں کو پیٹھ پر چڑھا اس گروہ کے ساتھ ساتھ چلا۔ مجھ میں پھرتی غضب کی تھی۔ چنانچہ سب کے ساتھ آہستہ آہستہ چلنا ناگوار گذرتا تھا۔ میں پارٹی کے آگے ہو لیا۔ اور طرح طرح کی چالیں ـــــ کبھی دُلکی۔ کبھی پویہ اور کبھی سرپٹ دکھاتا ہوا چلنے لگا۔ سب لوگ میرے کرتب دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے۔

ہم لوگ ایک گاؤں کے پاس سے ہو کر نکلے۔ چند گتہ سڑک کے کنارے کھڑے انگڑائیاں لے رہے تھے۔ خانہ

بدوشوں کی پارٹی کی لیڈری میرے ہاتھ میں دیکھ کر وہ شاید حسد کے مارے جل بھن گئے۔ اور سب کے سب جھنجلاتے ہوئے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ انہیں نزدیک آتے دیکھ کر میرے دونوں سوار بھی گھبرا اُٹھے۔ اور میرے گلے سے لپٹ گئے۔ میں نے دل میں کہا۔ اُنہوں نے میری پناہ لی ہے۔ تو میں ان کی حفاظت کروں گا۔

ایک موٹے تازے کُتّے نے دُم اُٹھا کر اور جبڑے پھیلا کر مجھ پر وار کیا۔ دوسرے کتّے نے میری ایک ٹانگ پکڑ لی۔ ایک اور نے لڑکوں کے پیروں کی طرف منہ بڑھایا۔ ایک چھوٹے سے کُتّے سے بھی اور کچھ نہ بنا۔ تو میرے بدن کے بال ہی نوچنے شروع کر دیئے۔ بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ مگر تم میری بات کا یقین مانو۔ میں نے ذرا بھی ہمت نہیں ہاری۔

خانہ بدوش تو ابھی سب کے سب بہت پیچھے تھے۔ اُن سے کیا خاک مدد مل سکتی تھی۔ اپنے ہی بل بوتے پر سب کچھ کرنا تھا۔ سب سے پہلے میں نے اپنے پچھلے پیروں کو جھٹکا دے کر چھڑا لیا۔ اور لگا داؤں دکھانے۔ اِدھر میں نے اپنا منہ بھی کھول دیا جس سے میرے بڑے بڑے دانت اچھی طرح نظر آنے

لگے۔ دانتوں کی نمائش کا ساتھ والے کتے پر بہت اچھا اثر پڑا چنانچہ اس کا جوش ذرا ٹھنڈا پڑ گیا۔ مگر پھر بھی اس نے بھونکنا بند نہ کیا۔ ایک دفعہ وہ بھونکتے بھونکتے اپنا منہ بالکل میرے منہ کے قریب لے آیا۔ میں نے بھی اچھا موقعہ دیکھ اپنے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیئے۔ اور لگا اپنی طرف کھینچنے۔ تھوڑی دیر تک جھنجھوڑنے کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا۔ بچہ جی جان لے کر بھاگے۔ اور پھر پیچھے بھی مڑ کر نہ دیکھا۔ اُدھر پیچھے والا کتا میری دولتیوں کے وار سہ کر پہلے ہی غائب ہو گیا تھا۔ جب دونوں بڑے کتوں کو بھاگتے دیکھا۔ تو باقی سب کے ہوش اُڑ گئے۔ اور سب دور ایک کھیت میں جا کر میرے خلاف کوئی سازش کرنے لگے۔

اتنے ہی میں خانہ بدوشوں کا گروہ بھی میرے پاس آ پہنچا۔ سب میری تعریف کرنے لگے۔ میری مالکہ تو مارے خوشی کے ناچنے لگی۔ بے چاری نے پیار سے میرا منہ چوم لیا۔ میں نے بھی سوچا۔ کہ ایسی مالکہ کے لئے جان تک بھی دے دینی پڑے۔ تو کچھ پرواہ نہیں۔ قدردان مالک دنیا میں سب کو نہیں ملتے۔

نمائش کی سیر

کئی مہینے تک خانہ بدوشوں کا وہ گروہ لگاتار سفر کرتا رہا + میں سمجھا تھا۔ کہ ایک آدھ روز میں سفر ختم ہو جائے گا۔ سفر کو یوں بڑھتے دیکھ کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ روز صبح کے وقت ساری پارٹی میں سب سے پہلے جاگتا تھا۔ میں ہی سب سے پہلے سب کے آگے جا کھڑا ہوتا۔ اور سب سے پہلے میں ہی اپنا قدم اٹھاتا تھا۔ تب کہیں اور لوگ چلتے تھے۔ میرا اس پارٹی کے ساتھ وہی تعلق تھا۔ جو انجن کا ریل گاڑیوں سے ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا تھا۔ کہ میں خود انہیں نہیں کھینچتا تھا +

ایک روز ہماری پارٹی ایک شہر میں سے ہو کر گذری + معلوم ہوا کہ ان دنوں وہاں نمائش ہو رہی ہے۔ ہماری پارٹی نے کچھ دنوں کے لئے اسی جگہ ڈیرا ڈال دیا۔ میں نے اس سے

پہلے کبھی کوئی شہر نہیں دیکھا تھا۔ صرف دیہات سے واقف تھا۔ اس لئے وہاں کچھ روز قیام کرنا مجھے بہت اچھا معلوم ہوا۔

ایک روز میں بھی نمائش میں گیا۔ نمائش کیا تھی۔ ایک بڑا میلہ تھا۔ وہاں پہنچ کر آنکھوں میں چکاچوند آجاتی تھی۔ ایسی اچھی سجاوٹ تھی۔ اور دکانیں ایسی خوبصورت تھیں۔ کہ گو مجھے ہمیشہ سے اس بات پر ناز تھا۔ کہ میں گدھا قوم میں پیدا ہوا ہوں۔ لیکن اس وقت میرے دل میں بھی انسان بننے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ آہا! کھانے کی کیسی اچھی اچھی چیزیں دکانوں میں سجا رکھی تھیں۔ مجھے کبھی گمان بھی نہ گزرا تھا۔ کہ آدمی ایسی اچھی چیزیں بھی کھاتے ہیں۔ مجھے تو صرف دال روٹی ہی کا خیال تھا۔ پہلے تو میرا ارادہ ہوا۔ کہ اگر موقعہ ملے۔ تو زیادہ نہیں۔ دو ایک منہ مارتا ہی چلوں۔ مگر دکان داروں کی ڈراؤنی صورتیں دیکھ ہمت نہ پڑی۔ آخر کار ہندوؤں کے دیوتاؤں اور پتروں کی طرح مجھے ان چیزوں کی خوشبو پر ہی قناعت کرنی پڑی۔

ایک آدھ دکان میں ہرے ہرے نرم پتے بک رہے تھے۔ ایسے پتے میں نے کبھی نہیں کھائے تھے۔ جی للچانے لگا۔ دکان کے آگے اڑ گیا۔ اور سوچنے لگا۔ کہ شاید مالکہ اور دکان دار کی مہربانی

میرا نیا گھر

مجھے اپنے نئے آقا کے گھر رہتے رہتے کئی دن گذر گئے۔ وہاں ایک اور گدھا بھی تھا۔ اُسے میں نے اپنا دوست بنالیا۔ اُس نے مجھے گھر کے کل راز بتلا دیئے۔ اس کی زبانی مجھے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ میرے آنے سے پہلے گھر میں ایک اور گدھا تھا۔ مگر وہ مالک کی مار سے مرگیا۔ تبھی میں خریدا گیا ہوں۔ اب تو میں بہت ہوشیار رہنے لگا۔

میرے دوست نے مجھے دُلتیاں چلانا۔ دانتوں سے کاٹنا پیٹھ ہلانا اور لوٹ جانا وغیرہ باتیں سکھلا دیں۔ ان تمام میں دُلتی جھاڑنا مجھے بے حد پسند آیا۔ چنانچہ میں نے اس کی خوب مشق کرلی۔ دن کو جب میرا ساتھی مالک کے ساتھ چلا جاتا۔ اور میں اکیلا رہ جاتا۔ تب مشق کے لئے خوب وقت ملتا۔ کام بھی کچھ ایسا مشکل نہ تھا۔ ذرا آگے کو سر جھکا اگلے پیروں پر بوجھ ڈال

مجھے تھوڑے بہت پتے مل جائیں۔ مگر ایسے نصیب کہاں؟ یہ معلوم ہو کر سخت صدمہ ہوا۔ کہ وہ پتے حیوانوں کے لئے نہیں بلکہ انسانوں کے لئے تھے۔ بس صاحب ہو چکا۔ جب پتے تک بھی انسانوں کی عنایت نگاہ سے نہ بچے۔ تو اب حیوان خاک مٹی یا ہوا پھانک کر گزارہ کریں؟ یقین ماننا وہاں کئی آدمیوں نے میرے دیکھتے دیکھتے تمام پتے چبا ڈالے۔ انہیں وہ اپنی زبان میں پان کہتے تھے۔

وہاں اور بھی کئی قسم کی دکانیں نظر آئیں۔ کپڑے اور گہنے والوں کی دکانوں پر بڑی بھیڑ تھی۔ مگر یہ چیزیں میری خاطر میں نہ آئیں۔ ہاں بیچ بیچ میں جب کوئی پوری کچوری یا مٹھائی کی دکان پڑ جاتی تھی۔ تب میری طبیعت مچل جاتی تھی۔ پھل اور میوہ فروشوں کو بھی دیکھ دیکھ کر جی خوش ہوتا تھا۔ مگر وہ جس طریقے سے اپنے سامان کی حفاظت کر رہے تھے۔ انسے دیکھ کر جی کڑھتا تھا۔ آخر کار میری مالکہ نے ہری ہری گھاس چرنے کے لئے مجھے نمائش میں ایک طرف چھوڑ دیا۔ اور اپنے لڑکوں کو ساتھ لے کر سیر کرنے چلی گئی۔

میں نے سوچا۔ عجب قسمت پائی ہے! دیکھیں تو بڑی

بڑی چیزیں۔ مگر کھانے کو ملی وہی گھاس۔ پھر خیال آیا۔ چلو یہ بھی غنیمت ہے۔ کہیں انسانوں کا دانت اس پر بھی لگ جاتا تو معاملہ بہت ہی نازک ہو جاتا۔ خیر! نمائش کی خوب صورت چیزوں کا خیال کرتے ہوئے میں نے تھوڑی بہت گھاس کھائی وہی گھاس جس پر روز لوٹ کر پڑتا تھا۔ آج بے طرح پھیکی اور بے مزہ معلوم ہوئی۔ اس کے ہرے ہرے رنگ سے مجھے نفرت سی ہونے لگی۔ اس کے نرم و نازک پتے روکھے روکھے معلوم ہوتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا۔ گویا دانتوں کے چبانے کی طاقت ہی جاتی رہی ہے۔ کسی طرح ایک آدھ مٹھی کھا کر میں آرام کرنے لگا۔

بڑی دیر تک مالکہ اور اپنے سواروں کے آنے کی راہ دیکھتا رہا۔ مگر کوئی نہ آیا۔ آخر حیران ہو کر میں ہی انہیں ڈھونڈنے چلا۔ جن کھیتوں کے پاس سے ہو کر وہ لوگ گئے تھے۔ اُدھر ہی کو ہو کر میں بھی چلا۔ اس خیال سے کہ کسی تمبو یا خیمے کے اندر نہ بیٹھے ہوں۔ ہر ایک خیمے کو غور سے دیکھتا جاتا تھا۔

یوں دیکھتا بھالتا میں ایک بڑے سے خیمے کے دروازے

پر پہنچا + اس کے بیچوں بیچ ایک میز رکھی تھی۔ اور اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا۔ کپڑے کے نیچے کوئی اونچی سی چیز رکھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ مجھے شک ہوا۔ کہ کہیں میرے ننھے سواروں میں سے تو کوئی نہیں سو رہا + اندر گیا۔ فرش پر ایک نہایت ہی خوب صورت غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ سچ مچ اس پر سے میرے پاؤں پھسلے پڑتے تھے۔ میں گیا۔ اور دو کرسیوں کے درمیان سے منہ بڑھا کر لٹکتے ہوئے کپڑے کو کھینچ لیا۔ ابھی میں نے تھوڑا ہی سا کھینچا تھا۔ کہ ایک بوتل میز سے نیچے گری۔ مجھے تو شیشوں کا ڈاکٹر یاد آگیا۔ جی چاہا۔ کہ بھاگ چلوں۔ مگر دل میں کل حال معلوم کرنے کی زبردست خواہش تھی۔ اس نے روکے رکھا۔

اب میں بہت آہستہ آہستہ اور آرام کے ساتھ کپڑے کو کھینچنے لگا۔ آخر کار میں نے سارا کپڑا کھینچ لیا + اس وقت میز پر جو میں نے نظارہ دیکھا۔ وہ مجھے عمر بھر کبھی نہ بھولے گا + نمائش بھر میں جو کھانے کی عمدہ عمدہ چیزیں تھیں۔ خوش نما برتنوں میں سجی رکھی تھیں + ان میں بہت سی چیزوں کے نام بھی مجھے معلوم نہیں۔ میری آنکھیں میز پر گڑی رہ گئیں۔

اور پھر جب تک میں نے کل سامان اپنے حلق کے نیچے نہ اتار لیا میز پر سے منٹ بھر کے لئے نہ ہٹیں ۔

اب زیادہ ٹھہرنا فضول سمجھ کر میں وہاں سے چلتا ہوا۔ میں تو سمجھا تھا۔ کہ کھانے کے بعد شاید میری ٹانگوں کے امتحان کا وقت آئے گا۔ مگر اس کا موقعہ ہی نہیں آیا۔ مجھ سے کسی نے اتنا بھی نہیں پوچھا۔ کہ بھائی کہاں سے آرہے ہو۔ اور کہاں جاؤ گے؟ اس کے بعد رہ رہ کر میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ کسی بھلے مانس نے مجھ پر ترس کھا کر کہیں میرے لئے تو سارا سامان مہیا نہیں کر رکھا تھا۔ مگر انسانی خصلت میں اتنی فراخ دلی کہاں؟ جو کچھ بھی ہو۔ نمائش میں میرا اس روز کا آنا کچھ بُرا نہ رہا ۔

دوڑ کی تیاری

ڈیرے پر پہنچا۔ تو مالکہ کو وہاں موجود نہ پایا۔ مگر میرے پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ بھی ہمارے سواروں کے ساتھ آپہنچی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بہت خوش ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ساتھ کے اور لوگ بھی آپہنچے۔ اور مجھے کہیں دوڑانے کا ذکر کرنے لگے۔ آخر معلوم ہوا۔ کہ اگلے دن نمائش میں گدھوں کی ایک دوڑ ہونے والی ہے۔ اس میں مجھے بھی دوڑانے کی تجویز ہے۔ دوڑ میں جیتنے والے گدھے کے لئے کچھ انعام بھی مقرر تھا۔ سب کے سامنے اپنی بہادری دکھانے کی امید سے میں پھول کر کپا ہی تو ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں مالکہ نے میرے گلے میں ایک رسّی ڈالی۔ اور مجھے ایک طرف لے کر چل دی۔ اور بھی کئی آدمی ساتھ ہو لئے۔ میں سوچنے لگا۔ کہ دوڑ تو کل ہو گی۔ آج یہ کہاں چلے

ہے؟ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ مجھے ایک تالاب کے کنارے لاکر کھڑا کر دیا۔ ایک آدمی تھوڑے سے پانی میں کھڑا ہو کر مجھے اندر کھینچنے لگا۔ کاتک کے مہینے میں شام کے وقت اس کی یہ حرکت کس حد تک مناسب تھی۔ آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے۔ میں ابھی اس شش و پنج ہی میں تھا۔ کہ کیا کروں — پانی کے اندر جاؤں یا نہ جاؤں — کہ اتنے میں پیچھے سے کسی نے اتنے زور کا دھکا دیا۔ کہ میں گھٹنوں تک پانی میں جا رہا۔ پانی اتنا ٹھنڈا تھا۔ کہ ٹانگیں گلی جاتی تھیں۔ میں باہر نکلنے کی فکر کرنے لگا۔ مگر اسی اثناء میں کسی نے میرے اوپر پانی ڈالنا شروع کر دیا — سچ کہتا ہوں۔ جیسا اس روز پھنسا۔ ساری عمر کبھی نہ پھنسا تھا۔

پانی اتنا ٹھنڈا تھا۔ کہ تلوار کی دھار کو مات کرتا تھا۔ پانی لگتے ہی میرے بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ اور میں اسی طرح کانپنے لگا۔ جیسے ساون میں ہوا کے جھونکے سے ہری ہری گھاس کانپتی ہے۔ میں دل ہی دل میں پانڈوؤں کی ہمت داد دینے لگا۔ جنہوں نے ہمالیہ کی برف میں گل کر اپنی جانیں دے دی تھیں۔ اُن کے گلنے کی یاد آتے ہی میں ڈرنے

لگا - کہ کہیں میں بھی جم کر نہ رہ جاؤں - اپنے سارے بدن کو ایک نگاہ دیکھ گیا - اور جب ہر ایک عضو جوں کا توں پایا - تب کہیں جا کر میری جان میں جان آئی ٭

اتنے میں دو آدمی میرے دونوں طرف آ کر کھڑے ہو گئے - اور لگے میرا بدن کوٹنے - ایک مشکل سے تو مر مر کے جینا ہوا تھا - کہ اتنے میں یہ دوسری نئی آ پڑی - اس مرتبہ مجھے پورا یقین ہو گیا - کہ اب میری ایک ہڈی بوٹی ثابت نہیں بچے گی - ایسی کڑی چوٹیں پڑ رہی تھیں - گویا بھیم سین کے گرز کے حملے ہو رہے ہوں - گو میری پیٹھ کو طرح طرح کے ڈنڈوں اور ڈھیلوں کا تجربہ ہو چکا تھا - مگر آج تو حد ہو گئی - پیٹھ پچھلی ٹانگوں کی دوہائی دینے لگی - مگر انہیں ٹھٹھرنے سے بھلا کب فرصت تھی - جو ان کی بات سنتیں ٭

میں نے سوچا - اب یہاں سے بھاگ کھڑے ہونا ہی ٹھیک ہے - مگر بھاگتا کدھر؟ آگے کی طرف تو تالاب تھا - اور پیچھے کی طرف تھے میری ہڈیاں پسلیاں توڑنے والے - مجھے مایوسی نے گھیر لیا - سوچا - اب کیا کروں - تالاب میں چکر لگاؤں - یا ہڈیاں تڑواتا رہوں - آخر کار پہلی ہی بات طے

کی۔ ایک دم بڑے جوش کے ساتھ تالاب کے اندر بھاگ کھڑا ہُوا۔ مگر تھوڑی ہی دور گیا تھا۔ کہ میری حالت اس بلبل کی سی ہوگئی۔ جو پنجرے میں بند رہنے کے باعث تھوڑی دُور اُڑ کر رہ جاتی ہے۔ میرے پاؤں اوپر کو اُٹھ گئے۔ اور میں غوطہ کھا گیا۔ پیاس تو نام کو نہ تھی۔ مگر پھر بھی معلوم نہیں۔ کتنا پانی پی گیا۔ میں نے سوچا۔ کیا بیرونی غسل کافی نہیں تھا۔ جو یہ اندرونی غسل بھی ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ سب لوگ کھڑے اس اندرونی غسل ہی کی راہ دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی مجھے نکال لیا گیا۔

میں یہ اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ کہ غسل کے بعد انسان تولئے سے اپنا بدن پونچھتے ہیں۔ بالوں میں تیل لگاتے ہیں۔ کنگھی کرتے ہیں۔ اور برش پھیرتے ہیں۔ مجھے تیل۔ کنگھی اور برش کا تو شوق نہیں ہے۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گا۔ اگر نہلانے کے بعد ایک اچھے سے تولئے سے میرا بدن پونچھ دیتے۔ تو بہت خوب ہوتا۔ مگر وہاں یہ کام کرتا کون؟ اول تو اُن کنگالوں کے پاس تولئے کا ہونا ایسا ہی غیر ممکن تھا۔ جیسے کسی گدھے کے پاس تولیا ہونا۔ اور اگر ہوتا بھی۔ تو اس سے

میرا بدن کیوں پونچھا جاتا؟ اس بارے میں مَیں اپنے پرانے مالک کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک آدھ تولئے کا تو ذکر ہی کیا اس کے گھر میں سینکڑوں تولئے مارے مارے پھرتے تھے۔ ہاتھ اور منہ پونچھنے کا تو کیا ذکر۔ ناک پونچھنا۔ جوتے پونچھنا۔ بھٹی راکھ جھاڑنا۔ ہمارا اصطبل صاف کرنا۔ وغیرہ وغیرہ تمام کام تولیوں ہی سے ہوتے تھے۔ تولیوں کے علاوہ دوسرے کپڑوں سے بھی اسی قسم کے بے شمار کام لئے جاتے تھے۔

ڈیرے پر آیا۔ تو سردی کے مارے اکڑا جا رہا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی میرے لئے کھڑا رہنا ناممکن ہو گیا۔ اور میں یک لخت چت لیٹ گیا۔ اور اس خیال سے کہ بدن میں ذرا گرمی آجائے ذرا اِدھر اُدھر پاؤں مارے اور کروٹیں بدلیں۔ چاروں طرف گرد و غبار کے بادل اس طرح اُٹھنے لگے۔ جس طرح پھٹے ہوئے غبارے سے گیس نکلا کرتی ہے۔ اس تکلیف کی حالت میں بھی کچھ لطف آنے لگا۔ اُدھر خانہ بدوشوں کا دم خشک ہونے لگا۔ کہ خدا معلوم بے چارے گدھے کو کیا ہو گیا۔ مالکہ میری حالت دیکھنے کو دوڑی آئی۔ اگرچہ میں گرد و غبار کے بادلوں کے غلاف میں چھپا ہوا تھا۔ مگر وہ میرے پاس پہنچ ہی گئی۔ اور مجھے تھپکیاں

دے دے کر پیار کرنے لگی ۔

میری مالکہ بڑی رحم دل عورت تھی ۔ میرا بھیگا ہوا بدن دیکھ کر جس پر اب خاک و دھول کی ایک ایک انچ موٹی تہ جم گئی تھی ۔ اسے رحم آگیا ۔ فوراً مجھے اس جگہ لے گئی ۔ جہاں بعض لوگ پیال پر بیٹھے آگ تاپ رہے تھے ۔ میرے لئے بھی تھوڑا سا پیال ایک طرف کو ڈال دیا ۔ اور مجھ سے اُس پر بیٹھ جانے کو درخواست کی ۔ اس کی درخواست کو میں نے دل و جان سے قبول کر لیا ۔

دینا۔ اور پچھلے پاؤں سے دیوار کی مزاج پرسی شروع کر دیتا۔ بڑا مزا آتا۔ آواز تو ایسی نکلتی۔ جیسے ہزاروں بندوقیں ایک ساتھ داغی جا رہی ہوں + کسرت ایسی ہو جاتی۔ کہ آدمیوں کے ڈنٹر اور نگدر تو اس کے آگے کچھ چیز ہی نہیں +

تھوڑے ہی دنوں میں میں موٹا ہونے لگا + پچھلے پاؤں تو اتنے مضبوط ہو گئے۔ کہ اُن سے اینٹ اور پتھر بھی آسانی سے توڑ سکتا تھا + اس کسرت کا ہم لوگوں میں بہت رواج ہے۔ پتہ نہیں۔ آدمی اپنے سکولوں اور کالجوں میں اسے کیوں جاری نہیں کرتے!

ہمارا آقا بھی عجیب طبیعت کا آدمی تھا + اسے یہ کسرت بالکل پسند نہ تھی + کیوں پسند نہیں تھی۔ یہ وہی جانے + ایک روز اس کی ایک چھوٹی سی لڑکی مر گئی۔ اس وجہ سے اُس روز وہ گھاٹ پر نہیں گیا + ادھر میری کسرت کا وقت نکلا جاتا تھا۔ میں نے سوچا۔ کہ اس کام میں ناغہ کرنا ٹھیک نہیں + اس لئے جھٹ پاؤں پر زور ڈال لگا دیوار کی پیٹھ ٹھونکنے + میرا ساتھی بھی اس روز وہیں تھا۔ میری پھرتی اور چستی دیکھ کر خوشی سے بے تاب ہو گیا۔ اور لگا واہ وا کا شور مچانے + اس سے

گدھا دوڑ

صبح ہوئی۔ خوب پکے ہوئے گلگلے کی طرح سورج اپنا لال لال نور پھیلانے لگا۔ اندھیرا اس طرح غائب ہونے لگا۔ جس طرح بہت سے گدھوں میں گھاس کا ڈھیر غائب ہو جاتا ہے۔ تارے ایک ایک کر کے یوں نظروں سے نہاں ہوتے جا رہے تھے۔ گویا آسمانی بتاشے اوس میں گھلے جاتے ہیں۔ چاند بھی آسمان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح جس طرح کانجی ہوس سے بندہ بھاگتا تھا۔ چڑیاں اِدھر اُدھر پھدک کر اس طرح چہچہانے لگیں۔ جس طرح میری پرانی مالکہ غصہ آجانے پر مالک سے چوں چرا کیا کرتی تھی۔ ہماری پارٹی کے لوگ ایک ایک کر کے اُٹھنے لگے۔ ادھر میں بھی خاک دھول جھاڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

مگر جو خاک میرے بدن پر جم گئی تھی۔ وہ جھڑنے والی تھوڑا ہی تھی۔ غسل کے بعد جو انچ بھر مٹی کا پرت میرے بدن پر جم

گیا تھا، رات بھر آگ تاپنے سے پتھر کی مانند سخت ہو گیا۔ اُس کے بہت سے چھوٹے بڑے ٹکڑے بالوں کے اگلے حصّے سے لٹک رہے تھے۔ خوب صورتی میں گھونگھروؤں کو مات کر رہے تھے۔ جس وقت میں چلتا۔ وہ ٹکڑے ہلنے لگتے۔ کسر صرف اتنی رہ گئی تھی۔ اُن میں سے گھونگھروؤں کی سی آواز نہ نکلتی تھی مگر کیا مضائقہ تھا۔ آواز نکالنے کے لئے میرا سُریلا گلا کیا کچھ کم تھا؟ سچ کہتا ہوں۔ اس روز صبح کے وقت جو میری صورت شکل تھی۔ ویسی پہلے کبھی نہ بنی تھی۔ جدھر سے نکل جاتا اُسی طرف نور سا پھیل جاتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں پارٹی کے لوگ اچھے اچھے کپڑے پہن کر بڑے ٹھاٹ سے میرے آس پاس جمع ہونے لگے۔ جن کے پاس اچھے اچھے کپڑے نہ تھے۔ وہ بالوں ہی کو سنوارنے میں اپنی تمام طاقت صرف کر رہے تھے۔ بعض لوگ صرف مونچھیں ہی مروڑنے پر قناعت کئے بیٹھے تھے۔ میری مالکہ آج خوب بنی ٹھنی تھی۔ اس کے کالے کالے اور سوکھے سوکھے بدن پر سرخ رنگ کا گھاگھرا خوب کھلتا تھا۔ مگر ہاں کسی قدر چھوٹا تھا۔ آتے ہی مالکہ میرے جسم سے مٹی اُتارنے لگی۔ مگر مٹی میرے بالوں

پر ایسی جم چکی تھی۔ کہ بال اُکھاڑے بغیر اس کا اُتارنا ناممکن تھا۔ مالکہ نے ایک ہی دفعہ ہاتھ پھیرا تھا۔ کہ میرے بہت سے بال اکھڑ گئے۔ درد کے مارے میں بلبلا اُٹھا۔ اس پر مالکہ نے ہاتھ ہٹا لیا۔ اور دوبارہ مجھے سنوارنے اور صاف کرنے کی کوشش نہیں کی۔ آج کھانے کے لئے مجھے باجرے کا تھوڑا سا چبینا بھی ملا۔

اس طرح بڑے ٹھاٹ سے میں نمائش پہنچا۔ وہاں لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ رہے تھے۔ لوگ میری صورت اور میرے ساتھ والوں کا رنگ ڈھنگ بہت تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ میں جس طرف سے نکل جاتا۔ اُدھر ہنسی کا ایک زبردست چشمہ اُبل پڑتا۔ ممکن ہے۔ اس ہنسی کا باعث میری عجیب وغریب شکل ہو۔ مجھے دیکھ کر کہیں کہیں سے توبہ توبہ کی صدا بھی سنائی دیتی۔ معلوم نہیں یہ صدا خوشی ظاہر کرنے کے لئے تھی۔ یا رنج۔ لیکن یہ صدا لگانے والے جیسا منہ بناتے تھے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا تھا۔ گویا ان کے پیٹ میں مینڈک گھس گئے ہیں۔ اور اوپر آنے کو زور مار رہے ہیں۔ آخر کار ہم لوگ ایک پیڑ تلے آرام کرنے لگے۔

اس پیڑ کے نیچے اور آس پاس اَور بھی بہت سے گدھے بندھے ہوئے کھڑے تھے۔ اُن کا رنگ اور اُن کی شکلیں ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھیں۔ کہ مجھے یہ شک گذرنے لگا۔ کہ کہیں گدھوں میں ذات پات کی تمیز تو نہیں ہوتی بعض تو اتنے سیاہ تھے۔ کہ تارکول کا رنگ بھی اُن کے رنگ کے آگے کوئی حقیقت نہ رکھتا تھا۔ بعض گورے رنگ کے تھے۔ اتنے گورے کہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ابھی سات سمندر پار سے چلے آرہے ہیں۔ کچھ میری مانند بھورے رنگ کے تھے۔ سفید گدھے غرور کے باعث اپنا سر اٹھائے کھڑے تھے۔ اُن کے رنگ ڈھنگ سے صاف ظاہر تھا۔ کہ اگر اس وقت اُن کے سامنے ہاتھی بھی ہو۔ تو مچھر نظر آئے گا۔ ان سے دوستی پیدا کرنے کو میرا جی بہت چاہا۔ مگر ہمت نہ پڑی۔ آخر میں نے اپنے قریب کے دو ایک کالے گدھوں سے بات چیت کر کے دل کو تسلی دے دی۔

بعض بعض گدھے طرح طرح کے کپڑے اور گہنے پہنے ہوئے تھے۔ بعض کی پیٹھ پر بہت ہی خوش نما جھولیں پڑی تھیں۔ کسی کے پیروں میں گھنگرو بندھے ہوئے تھے۔ جو چلتے

وقت خوب بجتے تھے۔ ایک گدھے کے سر پر خوب صورت سا ٹوپ تھا۔ کہاں یہ ساز و سامان اور کہاں میرا خاک سے لت پت جسم۔ سب گدھے میری طرف نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ ایک نے تو مجھے "گدھا قوم کا کلنک" کی بھی گالی دے دی۔ مگر میں ان تمام باتوں کی طرف سے بالکل بے پرواہ تھا۔ ہاں اگر میری بجائے کوئی اناڑی ہوتا۔ تو ضرور بگڑ جاتا۔

تھوڑی دیر بعد ہی جانوروں کی دوڑ شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے ہاتھیوں کا نمبر تھا۔ اُن کو دوڑتے دیکھ کر مجھ کو بڑی ہنسی آئی۔ انہیں اپنا جسم سنبھالنا ہی بھاری ہو رہا تھا۔ بے چارے دوڑتے کیا؟ سونڈ ہلا ہلا کر ایسے عجیب انداز سے دوڑتے تھے۔ جیسے لڑھکتے ہوئے جا رہے ہوں۔ اس کے بعد گھوڑوں کی دوڑ ہوئی۔ اس میں البتہ بڑا مزا آیا۔ مگر بیلوں کی دوڑ تو کچھ بھی نہ رہی۔ ایسے آہستہ آہستہ اور بھدے طریقے سے دوڑتے تھے۔ جیسے چھکڑے کھینچ رہے ہوں۔

اس کے بعد ہماری باری آئی۔ ہمارے مالکوں نے ہم کو جھٹ میدان کے ایک سرے پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ ہم تو دوڑ کے لئے پہلے ہی بے تاب ہو رہے تھے۔ اس لئے

اس کام میں ہمارے مالکوں کو ذرا بھی محنت نہ اٹھانی پڑی۔ یہاں دو ایک گدھوں نے اس میں بھی گڑبڑ مچادی۔ وہ رینگتے ہوئے دوسری طرف چل دیئے۔ بڑا مزا آیا۔ آخر کار ہم کو ایک قطار میں کھڑا کیا۔ سجے ہوئے گدھوں کو بیچ میں جگہ ملی۔ اور مجھے ایک کونے پر۔ یہ سب کرتوت اُس بھسم کی تھی۔ جو میں اپنے سارے بدن پر رمائے ہوئے تھا۔ اگر دیوتاؤں کی دوڑ ہوتی۔ تو ممکن ہے۔ بے چارے بھسم سے آراستہ دگمبر مہادیو جی کو بھی میری طرح کونے ہی میں جگہ ملتی۔

خیر سیٹی بجی۔ اور ہم لوگ ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ میرے اوپر آج پھر وہی دونوں لڑکے سوار تھے۔ کل تو وہ دو۔ مگر بہت ہلکے پھلکے تھے۔ بعض بعض گدھے تو ایک ہی سوار کے بوجھ سے دبے جاتے تھے۔ خوب لطف آیا۔ ایک ہٹے کٹے گدھے کو غلطی سے میرا ایک دھکا لگ گیا۔ اور وہ چاروں شانے چت آرہا۔ اس کا سوار کچھ اس سے زیادہ ہی موٹا تھا۔ اس کے سب عمدہ عمدہ کپڑے خاک میں اٹ گئے۔ میں تو اس غریب کے کپڑوں کا حال دیکھ کر پچھتا رہا تھا۔ کہ کئی گدھے مجھ سے آگے نکل گئے۔ اس پر جوش میں آکر میں نے ایسی

چوکڑی بھری۔ کہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی تھی۔ لحظہ بھر میں میں سب سے آگے نکل گیا۔ سامنے دو آدمی ایک رسّی تانے ہوئے کھڑے تھے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا۔ کہ رسّی کو چھونا ہے۔ یا اُن آدمیوں کو۔ مگر آدمیوں کا درجہ رسّی سے زیادہ سمجھ کر میں نے اس آدمی کو چھونے کا ارادہ کیا۔ جس کا رعب داب زیادہ تھا۔ اتفاق سے وہی آدمی میرے سامنے پڑتا تھا۔ اس لئے اسے چھونے میں بڑی آسانی ہوئی۔ میں بالکل سیدھا ـــــ عین ناک کی سیدھ ـــــ میں بھاگتا ہُوا چلا گیا۔ اور جا کر اُس آدمی کے پیٹ میں تھوتھنی گھسا دی۔ مگر میں اتنے زور سے دوڑا جا رہا تھا۔ کہ اُس آدمی کو چھونے کے بعد بھی دوڑتا چلا گیا۔ ہزار کوشش کی۔ مگر ٹانگیں نہ رُکیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ غریب پیٹھ کے بل بڑے زور سے گرا۔ اس کے ہاتھ سے رسّی چھوٹ کر معلوم نہیں۔ کہاں چلی گئی۔ اس کے گرتے ہی میری ٹانگیں بھی ایسی لڑکھڑائیں۔ کہ میں بھی اُس کے اوپر اپنے سواروں سمیت لوٹ پوٹ ہو گیا۔ سب کے نیچے وہ آدمی تھا۔ اس کے اوپر میں اور میرے اوپر دونوں سوار!

سب لوگ ادھر ہی دوڑ پڑے۔ اور ایک ایک کر کے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

ہم کو اس ڈھیر میں سے نکالا۔ مجھے اس نیچے والے آدمی کا زیادہ خیال تھا۔ کہ کہیں اس کی ہڈیاں پسلیاں نہ ٹوٹ گئی ہوں۔ چنانچہ جب سب کے بعد اسے اٹھا کر کھڑا کر لیا۔ تو میری جان میں جان آئی۔ میرے سواروں کے ذرا بھی چوٹ نہ آئی تھی۔ میں چوٹ نہ لگنے کی خوشیاں منا ہی رہا تھا۔ کہ اتنے میں سنا۔ کہ میں دوڑ میں اوّل رہا ہوں۔

اب میرا کیا پوچھنا تھا! خوشی کے گیت گانے لگا۔ بھائی سچ کہتا ہوں۔ ایک سماں باندھ دیا۔ مالکہ نے دوڑ کر مجھے گلے سے لگا لیا۔ بڑا ہی مزا رہا۔ میری مالکہ کو ایک سونے کی انگوٹھی انعام میں ملی۔ مجھے بھی اس روز اتنی جلیبیاں کھانے کو ملیں۔ کہ بدہضمی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بھئی میں پھر کہتا ہوں۔ کہ اس روز تو خوب ہی مزا رہا۔

سرکس کمپنی میں

اس کے بعد بھی کئی روز تک نمائش کی چہل پہل رہی۔ ہماری پارٹی کے لوگ قریب قریب روز ہی نمائش دیکھنے جاتے تھے۔ ان کے ساتھ میں بھی جاتا تھا۔ نمائش میں ایک سرکس کمپنی بھی آئی ہوئی تھی۔ ایک روز ہماری مالکہ اس کا تماشہ دیکھنے گئی۔ تماشہ دیکھنے کو میرا بھی دل بہت چاہتا تھا۔ چنانچہ مالکہ کے ساتھ ساتھ میں نے بھی اندر جانے کی کوشش کی۔ مگر پھاٹک والے نے نہ جانے دیا۔ میں باہر ہی ٹاپتا رہ گیا۔ آخر کار یہ معلوم کرنے کی ٹھانی۔ کہ پھاٹک کے سوا اور کہیں سے بھی اندر جانے کا راستہ ہے یا نہیں۔ میں اس بڑے خیمے کے گرد چکر لگانے لگا۔ یہ تو ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتا۔ کتنی دفعہ اس خیمے کے ارد گرد پھرا مگر ہاں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں۔ کہ بہت دیر تک پھرتا رہا۔ جب